وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

فوائدِ مکیّہ

از افادات ماہرِ فنونِ قرأت وحیدِ عصر فریدِ دہر استاذِ اساتذۃ الہند والعرب حضرت مولانا قاری مقری عبدالرحمٰن صاحب مکّی ادخلہ اللہ دار السلام

مع حاشیہ بے نظیر

تعلیقاتِ مالکیہ

از رشحاتِ قلم شہرۂ آفاق شیخ الکل ماہرِ تجوید و قراءت سیدنا حضرت مولانا القاری المقری

عبدالمالک صاحب قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۳۷۹ھ

ناشر

مکتبہ حفظ القرآن محلہ دیوان دیوبند ضلع سہارنپور ۲۳۷۵۵۴

2.11

23 Syed Shameel Islam
48 - Dare Jadeed

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

فوائدِ مکیّہ

از افادات ماہر فنونِ قرأت وحیدِ عصر فریدِ دہر استاذِ اساتذۃ الہند والعرب حضرت مولانا قاری مقری عبدالرحمٰن صاحب مکّی أدخلہ اللہ دار السلام

مع حاشیہ بے نظیر

تعلیقاتِ مالکیہ

از رشحاتِ قلم شہرۂ آفاق شیخ الکل ماہر تجوید و قرأت سیدنا حضرت مولانا القاری المقری

عبدالمالک صاحب قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۳۷۹ھ

ناشر

مکتبہ حفظ القرآن محلہ دیوان دیوبند ضلع سہارنپور ۲۴۷۵۵۴

۷۸۶

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ اما بعد

فوائد مکیہ مع تعلیقات مالکیہ کو پڑھنے کا اتفاق ہوا، دل چاہا کہ اس کتاب کی طباعت ہو جائے مگر یہ سوچتے ہوئے کہ صفحات زیادہ ہونے کے سبب قیمت زیادہ ہو جائیگی تو ہمت نہ ہو سکی لیکن مولانا مفتی محمد الیاس صاحب گونڈوی مالک ادارۂ علم و حکمت کو خدا تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے ہمت دلائی تو ارادہ کر لیا۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس حاشیہ سے طلباء کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کا شوق عطا فرمائے۔

دسمبر ۱۹۸۶ء سے ہی فوائد مکیہ مع حاشیہ تعلیقات مالکیہ خدا کے فضل سے برابر چل رہی ہے حالانکہ کتابت بہت گھنی ہوئی ہے۔ بار بار خیال ہوا کہ اس کی دوبارہ کتابت کرا دی جائے مگر پھر وہی خیال آیا کہ دوبارہ کتابت ہونے کی وجہ سے صفحات اور زیادہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ حاشیہ کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد سفیان اعظمی قاسمی کو کتاب دکھائی اور مشورہ بھی کیا تو موصوف نے خود ہی اس کی کتابت کی ذمہ داری قبول کی جس سے طبیعت خوش ہوئی، کیونکہ بہت جگہوں پر الفاظ صاف نہیں تھے مگر موصوف نے بہت توجہ سے کتابت کی۔ کاتب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی کتابت کی غلطیاں کم سے کم آئیں۔ موصوف میں احقر نے یہ بات پائی۔ خدا تعالیٰ موصوف کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ میں ان کا شکر گذار ہوں۔ محمد سعید عالم ۱۹۹۹ء

خادم تجوید و وقف دار العلوم دیوبند جولائی ۱۹۹۹ء

نام کتاب ـــــــ فوائد مکیہ

تصنیف ـــــــ استاذ الاساتذہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب مکی قدس سرہ

حاشیہ ـــــــ تعلیقات مالکیہ

محشی ـــــــ مولانا قاری عبد المالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مصحح ـــــــ محمد سعید عالم خادم تجوید و وقف دار العلوم دیوبند

کاتب ـــــــ محمد سفیان اعظمی قاسمی

ـــــــ ملنے کے پتے ـــــــ

(۱) مکتبہ حفظ القرآن محلہ دیوان دیوبند

(۲) دار الکتاب دیوبند (۳) مسعود پبلشنگ ہاؤس جامع مسجد دیوبند

اسہل التجوید - عبد اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ القرّاء

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکّی الٰہ آبادی

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکّی بن شیخ بشیر خاں استاذ القراء فی العرب والعجم حضرت قاری عبداللہ مکّی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے حضرت العلّامہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکّہ و بانی مدرسہ صولتیہ مکّہ مکرمہ سے مدرسہ صولتیہ میں استفادہ کیا، اور لمبی مدت تک یہ دونوں حضرات مولانا کے پاس رہے، یہ دونوں بھائی باب ابراہیم کے پاس رہتے تھے۔ ان دونوں کو مدرسہ صولتیہ کے سب سے پہلے مشہور مصری استاذ قاری ابراہیم سعد بن علی کے حوالہ کیا گیا، جن کو حضرت مولانا نے بڑے اہتمام سے مدرسہ صولتیہ میں تجوید و قراءت اور قرآن مجید حفظ کرانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ قاری ابراہیم سعد بن علی نے ان دونوں بھائیوں میں عمدہ صلاحیت کی وجہ سے ان پر بڑی محنت کی اور اعلیٰ تربیت دی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان دونوں کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا، اور کلّی طور پر یہ دونوں بھائی مدرسہ صولتیہ ہی میں رہنے لگے۔

جب یہ دونوں تعلیم سے فارغ ہوگئے اور حفظ و قراءت سبعہ کی تکمیل کرلی تو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے قاری عبدالرحمٰن کو حکم فرمایا کہ تم ہندوستان جاؤ اور تجوید و قراءت کی اشاعت کرو، چنانچہ حضرت قاری صاحب ہندوستان تشریف لائے اور گولڑہ ضلع راولپنڈی پہونچے، اور وہاں جناب قاری محمد غازی صاحب سے قراءت ثلثہ پڑھی اور سند فراغت حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کانپور گئے اور مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اور درس نظامی کا کورس مکمل کیا، علوم عربیہ کی کتابیں اوّل تا آخر پڑھیں اور سند فراغت حاصل کی، پھر اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے اور کئی سال تدریسی خدمات انجام دیں۔[1]

---

[1] تذکرۃ المصنفین ص ۲۳۹

آپ کانپور کے علمی و دینی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کی سفارش پر ایک بڑے تاجر کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی۔

پھر شیخ عبداللہ رئیس الہ آباد نے آپ کو الہ آباد بلا لیا، جہاں "عبداللہ کی مسجد" کے متصل ریلوے اسٹیشن کے قریب مدرسہ احیاء العلوم میں آپ نے ایک عرصہ دراز تک درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ آپ کی خصوصی توجہات اور غیر معمولی کوششوں سے یہ مدرسہ عرصۂ دراز تک علم و قرارت کا مرکز بنا رہا اور آپ سے کثیر تعداد نے اس مدرسہ میں استفادہ کیا۔[1]

پھر ایک زمانہ کے بعد قاری صاحب مدرسہ احیاء العلوم سے حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب کی طلبی پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور صدر المدرسین مقرر ہوئے۔

ہندوستان میں آپ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ عام طور پر آپ سے آشنا اور واقف نہیں ہوئے تھے، لکھنؤ آنے کے بعد آپ نے بڑی سرگرمی اور تندہی کے ساتھ تجوید و قرأت کی تعلیم پر توجہ فرمائی، اور عوام و خواص میں آپ کی شہرت دُور دُور تک پہونچی، رفتہ رفتہ آپ کی شہرت اس قدر ہوئی کہ آپ کے پاس طلباء دُور دُور سے کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ مکہ مکرمہ کے حوالے سے آپ کا نام عوام و خواص میں مقبول و محبوب ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے صفِ اوّل کے اساتذہ و قراء، حضرت قاری صاحب کے افادہ و استفادہ ہی سے تیار ہوئے۔ کانپور، الہ باد اور اطراف کے شہروں میں آپ کا فیض عام ہوا۔ یہاں تک کہ بنگال، برما، پنجاب اور کابل کے تلامذہ نے آکر آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت قاری صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا۔ شاطبیہ، درّہ اور طیبہ تمام کتابیں ازبر تھیں۔ اصول و فروع پر وسیع نظر تھی۔ اکثر وقت فنّی کتابوں کے مطالعہ میں ہی گذرتا تھا۔[2]

ہر سال رمضان شریف میں تراویح میں دو ختم فرماتے۔ تراویح میں تلاوت بڑی چابکدستی اور روانی کے ساتھ ہوتی، لحنِ جلی و لحنِ خفی سے پاک، حروف کی عمدہ ادائیگی، احفافِ غنہ، مد، موتیوں کی طرح پروئے معلوم ہوتے، ادائیگی اس قدر صاف کہ ایک

---

[1] تذکرہ قاریانِ ہند، جلد سوم [2] قاریانِ ہند ص ۳۲۸ جلد ۳

ایک حرف صاف سُنائی دیتا۔ یاد کا یہ عالم تھا کہ کہیں لقمہ کی ضرورت نہیں۔

قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ شیخ القراءت دارالعلوم دیوبند کا کہنا ہے کہ اشراق، چاشت، تہجّد اور اوّابین میں علیٰحدہ علیٰحدہ سلسلہ سے قرآن مجید ختم فرمانے کا معمول رہتا تھا۔ حافظ اس پایہ کا تھا کہ شاگردوں کے قول کے مطابق کبھی ہم نے لقمہ لیتے ہوئے نہیں سُنا۔ قاری سراج الحق صاحب جو آپکے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے جدّہ میں شہورش شہنشاہِ ارجنہؒ کو قرآن سُنایا تھا[1]

نیز حضرت قاری صاحبؒ کو فنونِ سپہ گری، کُشتی، پہلوانی اور پیراکی میں کمال حاصل تھا۔ روزانہ ورزش کرتے تھے جس کی وجہ سے اُن کا جسم خوب بنا ہوا تھا۔ ہانک، پٹا، بنوٹ میں استاد لوگ آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔

آخر عمر میں آپ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں آپ تشریف لے گئے تھے۔ مولانا عین القضاۃ صاحب کا بروز چہارشنبہ ۲ رجب ۱۳۴۳ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو انتقال ہوا تو آپ اس وقت فرقانیہ ہی میں موجود تھے، چنانچہ آپنے ہی مولانا کی نمازِ جنازہ پڑھائی[2]

مدرسہ فرقانیہ میں ہی آپنے ایک روز علیل رہ کر ۱۳۴۹ھ میں انتقال فرمایا اور لکھنؤ میں ٹوٹلہ مجیب گنج میں دفن ہوئے۔

آپ کی تصانیف میں تجوید پر فوائدِ مکیہ کو سند کی حیثیت حاصل ہے۔ ہندوپاک کے عام مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔ اس کتاب پر متعدّد قراء و مشائخ فن نے حواشی لکھے ہیں۔ اِس کتاب میں تین ابواب اور تیرہ فصلیں ہیں۔

دوسری کتاب فضل الدُّرَر شرح عقیلہ (رائیہ) عربی ہے جو رسم میں مشہور نظم علامہ شاطبی رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ کتاب ادق اور مشکل ہے، مگر شارح نے اپنی فصیح عربی میں اس کی مشکلات سے بڑی آسان تفہیم میں پردہ اٹھایا ہے[3]

حضرت قاری صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں ہے۔ حسبِ ذیل بڑی شہرت کے مالک ہوئے ہیں۔

---

[1] فیضانِ رحمت ص۱۰۱ [2] تذکرۂ قاریانِ ہند ص۲۲۶ ج۱

[3] یہ دونوں کتابیں ملنے کا پتہ۔ قرأت اکیڈمی ۲۸۔ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

۱ ـــــ حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ
۲ ـــــ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ صدر المدرسین فرقانیہ لکھنؤ
۳ ـــــ قاری ضیاء الدین احمد صاحب صدیقی
۴ ـــــ قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی استاذ دارالعلوم دیوبند
۵ ـــــ قاری عبدالمعبود صاحب
۶ ـــــ قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادی استاذ دارالعلوم دیوبند
۷ ـــــ قاری مفتی نصیر الدین غمانی صاحب
۸ ـــــ نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صاحب
۹ ـــــ قاری محمد حسین الہ آبادی خلیفہ و مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ
۱۰ ـــــ قاری محمد سراج الحق پروفیسر فارسی الہ آباد یونیورسٹی
۱۱ ـــــ قاری منت اللہ صاحب سجادہ نشین مونگیر
۱۲ ـــــ قاری مولانا عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ و والد بزرگوار مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
۱۳ ـــــ پروفیسر غلام مصطفےٰ خاں پی۔ ایچ۔ ڈی
۱۴ ـــــ قاری محمد نظر صاحب استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ
۱۵ ـــــ قاری محمد صدیق صاحب استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ۔[1] وغیرہم

اظہار احمد تھانوی
استاذ عالمی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

---

[1] فیضانِ رحمت ص ۱۰۴

از محشیٔ علّام قدّس سرّہٗ

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ رسالہ فوائد مکیہ مؤلفہ استاذ الاساتذہ استاذی حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم مکی ثم الہ آبادی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔ جامعیت اور مقبولیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے جو عرصہ سے اکثر مدارسِ اسلامیہ کے شعبہائے تجوید خصوصاً مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے درجاتِ تجوید و قراءت میں داخلِ نصاب رہا ہے۔ تقسیم ملک سے پیشتر متعدد بار چھپا اور ختم ہو گیا۔ اس کے بعض مضامین و مسائل جو تشریح و توضیح طلب تھے ان کی وضاحت کے لئے چند حواشی مسمّٰی بہ تعلیقاتِ مالکیہ ۱۳۵۲ھ کی اشاعت میں بزمانۂ قیام مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ بڑھائے گئے جو طلباء کے لئے مفید ثابت ہوئے۔ پھر بعض احباب معلّمین تجوید کی درخواست و اصرار پر بعض مزید حواشی اور چند ضروری مفید مضامین مستقلاً بطور ضمیمہ رسالہ ہٰذا کے آخر میں برائے افادۂ طلبائے تجوید و قرأت بڑھائے گئے جو بحمداللہ طالبین کے لئے نافع اور مفید ثابت ہوئے۔ یہ مضامین حسبِ ذیل عنوانات پر مشتمل ہیں:۔

(۱) النطق بالضاد (۲) سجدۂ تلاوت کا بیان مع ضروری مسائل فقہیہ (۳) باب التکبیر (۴) الحال المرتحل (۵) تکرار سورۃ التوحید فی التراویح۔

تجوید و قرأت اور فقہ کی جن معتبر کتابوں سے یہ مضامین ضمیمہ وغیرہ نقل کئے گئے ہیں اکثر ان کا حوالہ معہ تعیّن صفحہ و باب اپنے اپنے موقعہ پر دیدیا گیا ہے۔ بعض وہ حواشی جو خود حضرت مؤلف علّام مرحوم کے ہیں ان کے آخر میں لفظ (منہ) لکھا گیا ہے۔

ان حواشی کے ساتھ پاکستان میں یہ رسالہ بالکل نایاب تھا طلباء و شائقین میں اس کمی کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ مقامِ مسرت ہے کہ یہ رسالہ اپنی پوری جامعیت کے ساتھ طبع ہو کر تجوید کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔

ناظرین خصوصاً طلبائے قرأت حضرت مؤلف، محشیؔ اور ان مخلص احباب کو جنھوں نے ان حواشی کی تحریر میں میری اعانت فرمائی دُعائے خیر میں یاد رکھیں، کیا عجب ہے کہ یہ حقیر عمل ہی درجۂ قبولیت کو پہونچ کر میرے لئے باعثِ نجات ہو۔

خادم التجوید والقرآن عبدالمالک

سابق صدر شعبۂ تجوید و قراءت مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ۔ حال لاہور

مُقَدِّمَۃُ الْکِتَاب[1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السّلام علیٰ سید المرسلین سیّدنا و نبیّنا و شفیعنا و مولانا محمد و اٰلہٖ و اصحابہٖ و ازواجہٖ و ذریاتہم اجمعین۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید کو قواعدِ تجوید سے پڑھنا نہایت[2] ہی ضروری ہے۔ اگر تجوید سے قرآن مجید نہ پڑھا گیا تو پڑھنے والا خطا کار کہلائے گا۔ پھر اگر ایسی غلطی ہوئی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل[3] گیا یا کوئی حرف گھٹا[4] بڑھا[5] دیا گیا یا حرکات[6] میں غلطی کی یا ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن کر دیا تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا۔ اگر ایسی غلطی ہوئی

---

[1] اصل مقصود سے قبل جو باتیں افہام و تفہیم میں سہولت اور آسانی کی غرض سے بیان کی جاتی ہیں ان کو مقدمہ کہتے ہیں [2] لا مر اللّٰہ تم و رتل القراٰن ترتیلاً الترتیل تجوید الحروف و معرفۃ الوقوف و فی الحدیث ان اللّٰہ یحب ان یقرأ القراٰن کما انزل۔ اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ عن زید ابن ثابت رضی اللّٰہ عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و فی منح الفکریۃ شرح الجزریۃ لملا علی قاری مطبوعہ مصر ص۱۵ و اخذ القاری بتجوید القراٰن وھو تحسین الفاظ باخراج الحروف من مخارجھا و اعطاء حقوقھا من صفاتھا و ما یترتب علیٰ مفرداتھا و مرکباتھا فرض لازم و حتم دائم ثم ھذا العلم لا خلاف فی انہ فرض کفایۃ و العمل بہ فرض عین علیٰ صاحب کل قراءۃ و روایۃ و لو کانت القراءۃ سنۃ ۱۲ [3] شرعی اور عرفی دونوں ضرورتوں کو یہ لفظ شامل ہے جن صورتوں میں تجوید کے خلاف پڑھنے سے لحنِ جلی اور فسادِ معنیٰ لازم آئے وہاں شرعاً اور جہاں صرف لحنِ خفی لازم آئے وہاں عرفاً ضروری ہے ۱۲ [4] تبدیلِ حرف خواہ تبدیلِ مخرج کی وجہ سے یا تبدیلِ صفت کی وجہ سے مثلاً قاف کی جگہ کاف یا صاد کی جگہ س مثلاً بجائے قُلْ اَعُوْذُ کے کُلْ اعوذ، عصیٰ اٰدم کے بجائے عسیٰ اٰدم [5] ضرب لکم کی جگہ ضربا لکم، وَلَا تقربا ھٰذہٖ کی جگہ ولا تقرب ھٰذہٖ پڑھ دینا ۱۲ [6] مثلاً و اذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ میں بجائے

(باقی ص۹ پر)

جس سے لفظ کا ہر حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے صرف بعض صفات جو تحسینِ حرف سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر ممیزہ[1] ہیں یہ اگر ادا نہ ہوں تو خوفِ عقاب اور تہدید کا ہے۔

(بقیہ ص۸) زبر میم کے ضمہ اور بجائے ضمۂ با کے فتحہ پڑھ دینا ۱۲ ۔ مثلاً اَنْعَمْتَ کی جگہ اَنْعَمْتَ ۔ وَضَرَبْنَا لکم الامثال کی جگہ وَضَرَبْنَا لکم ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] مؤلف کی مراد اس سے بظاہر صفات عارضہ ہی ہیں کیونکہ ان کی عدم ادائیگی کی غلطی کو لحنِ خفی میں داخل کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ صفاتِ لازمہ کا فقدان اور انفکاک کسی نہ کسی درجہ میں ضرور موصوف کے نقصان کا باعث ہوتا ہے اور مبنیٰ میں حروف کے مخرج اور صفاتِ لازمہ کی غلطی کو لحنِ جلی میں لکھتے ہیں جیسا کہ نہایت القول المفید مطبوعہ مصر ص۲۲ میں ہے فاما الجلی فھو خطأ یطرأ علی الالفاظ فَیُخِلُّ بالعرف اعنی عرف القراءۃ سواء اخل بالمعنی ام لم یخل وانما سمی جلیاً لانہ یخل اخلالاً ظاھراً یشترک فی معرفتہ علماء القراءۃ وغیرھم وھو یکون فی المبنیٰ او الحرکۃ او السکون والمراد من المبنیٰ حروف الکلمۃ ومن الخطاء فیہ تبدیل حرف باٰخر کتبدیل الطاء الابترک اطباقھا واستعلاءھا اوتأبترکھما وباعطائھا ھمسًا اور صفات لازمہ اکثر ممیزہ ہوتی ہیں اور جو صفات لازمہ ممیزہ نہیں وہ بہت کم ہیں اور للاکثر حکم الکل ظاہر ہے اور صفات لازمہ متضادہ اکثر لازم النقیض بھی ہیں کہ ایک کے فقدان سے اس کی ضد ضرور واقع ہو جائے گی۔ بہرحال صفات لازمہ گو کسی وقت ممیز نہ ہوں لیکن ان کے انفکاک سے موصوف میں ضرور کچھ نہ کچھ نقصان واقع ہو جائے گا۔

اوپر معلوم ہو چکا کہ مبنیٰ کی غلطی لحنِ جلی میں شامل ہے خواہ مخل معنیٰ ہو یا نہ ہو۔ اور لحن خفی کی تعریف ص۳۳ میں یہ لکھی ہے ثم اعلم ان اللحن الخفی ینقسم الیٰ قسمین احدھما لا یعرفہ الا علماء القراءۃ کترک الاخفاء والقلب والاظہار والادغام والغنۃ الخ اور کچھ آگے لکھتے ہیں ۔ والثانی لا یعرفہ الا مھرۃ القراء کتکریر الراءات وتطنین النونات وتغلیظ اللامات وتشویبھا الغنۃ وترعید الصوت بالمدود والغنات وترقیق الراءات فی غیر محل الترقیق الخ اس عبارت سے بھی صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ لحنِ خفی کی غلطیوں میں تغلیظِ لام اور ترقیِ را وغیرہ کو بیان کیا ہے مخرج اور صفاتِ لازمہ میں غلطی کا ذکر نہیں کیا۔ اسی بناء پر یہاں بھی مؤلف نے صفاتِ غیر ممیزہ سے شاید بلکہ غالباً صفاتِ لازمہ مراد نہیں لیں۔

موضوع: حروف قرآنی
غایت: تصحیح قرآن

لحن: تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا۔
جلی: صریح اور واضح غلطی جو
فن کو جاننے والے اور نہ جاننے والے

پہلی قسم کی غلطیوں کو لحنِ جلی[1] اور دوسری قسم کی غلطیوں کو لحنِ خفی[2] کہتے ہیں۔ تجوید کے معنیٰ ہر حرف کو اپنے مخرج[3] سے مع جمیع صفات[4] کے ادا کرنا[5]۔ اس کا موضوع[6] حروف تہجی اور غایت[7] تصحیح حروف ہے۔ اور خوش آوازی سے پڑھنا امرِ زائد مستحسن[8] ہے۔ اگر قواعدِ تجوید کے خلاف نہ ہو ورنہ مکروہ ہے اگر لحنِ خفی لازم آئے۔ اور اگر لحنِ جلی لازم آئے تو حرام اور ممنوع ہے۔ پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم ہے۔

---

[1] جلی کے معنیٰ واضح اور ظاہر کے ہیں یعنی یہ غلطیاں ایسی ظاہر ہیں کہ ان کا ادراک اور احساس علاوہ قراء کے عوام کو بھی ہو جاتا ہے ۱۲ [2] خفی کے معنیٰ ہیں پوشیدہ اور باریک یعنی یہ غلطیاں عوام سے مخفی ہیں کہ ان کا علم اور احساس خاص ماہرین قراء کو ہی ہوتا ہے عوام کو نہیں ہوتا ۱۲ [3] حرف کے نکلنے کی جگہ کو مخرج کہتے ہیں اس کی جمع مخارج ہے ۱۲ [4] صفات جمع صفت کی ہے۔ صفت حرف کی وہ کیفیت اور حالت ہے جس سے حرف کا باعتبار ذات کے سخت یا نرم ہونا قوی یا ضعیف ہونا یا باعتبار محل کے حلقی یا شفوی ہونا معلوم ہو۔ صفات سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک مخرج کے چند حروف آپس میں ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہو جاتے ہیں ۱۲ [5] نیز ادائیگی حروف میں اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کسی قسم کا تکلف اور تصنع نہ ہو مثلاً زائد از ضرورت ہونٹوں کا حرکت کرنا یا منہ ٹیڑھا ہونا یا چہرہ سے گرانی یا پریشانی کا ظاہر ہونا جلد جلد پلکوں کا بند ہونا یا ناک کا پھولنا یا پیشانی پر شکن پڑنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ ان سب تکلفات سے بچتے ہوئے مکمل طور پر لطافت کے ساتھ ادائیگی حروف ہونا چاہیے۔ اسی امر کی طرف علامہ جزری نے توجہ دلائی ہے بقولہ مکملا من غیر ما تکلف باللطف فی النطق بلا تعسف ۱۲ [6] جس شئ کے حالاتِ ذاتیہ کسی فن میں بیان کئے جائیں اس شئ کو اس فن کا موضوع کہتے ہیں ۱۲ [7] کسی کام سے جو نتیجہ مقصود ہوتا ہے اس کو غایت کہتے ہیں ۱۲ [8] اس کا استحسان بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید فی القرآن حسناً۔ ترجمہ اچھا کرو تم قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے پس بیشک اچھی آواز زیادہ کرتی ہے قرآن مجید میں خوبصورتی کو زینوا القرآن باصواتکم ترجمہ زینت دو تم قرآن کو اپنی آوازوں سے۔ لیکن چونکہ خوش آوازی داخلِ تجوید نہیں اس لئے خوش آوازی تجوید کے تابع ہوگی وہی مستحسن اور محمود ہوگی ۱۲

دونوں پر ظاہر ہو جاتی ہے
خفی: وہ غلطی اور معمولی غلطیاں ہیں جو فن تجوید سے ناواقف
لوگوں پر مخفی رہتی ہیں۔

باب اوّل

تلاوت - مستحب
استعاذہ - مستحب

فصلِ اوّل استعاذہ اور بسملہ کے بیان میں

قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے استعاذہ ضروری[1] ہے اور الفاظ[2] اس کے یہ ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ گو اور[3] طرح سے بھی ثابت ہے مگر بہتر یہ[4] ہے کہ انہیں الفاظ[5] سے استعاذہ کیا جائے۔ اور جب سورۃ شروع کی جائے تو (بِسْمِ اللّٰہ) کا پڑھنا بھی ضروری[6] ہے۔ سوائے سورۂ برأت[7] کے۔

---

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے استعاذہ کا امر فرمایا ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ترجمہ جب پڑھیں آپ قرآن مجید تو پناہ مانگیں اللہ کے ساتھ شیطان راندۂ درگاہ سے۔ اگرچہ یہ امر بالاتفاق وجوبی نہیں لیکن عرفاً ضروری ہے ۱۲ [2] مختار الفاظ ۱۲
[3] مثلاً اعوذ باللہ القادر من الشیطان الغادر۔ اعوذ باللہ القوی من الشیطان الغوی۔ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم وغیرہ وغیرہ [4] کیونکہ ان الفاظ سے استعاذہ کرنے میں الفاظِ نص کی موافقت ہوتی ہے۔ نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور روایت کرتے ہیں نافع بن جبیر ابن مطعم سے اور وہ اپنے والد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قرأت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھا کرتے تھے گو یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں لیکن تخصیص الفاظ استعاذہ کی تائید کے درجہ میں مفید ہیں ۱۲ سراج القاری مطبوعہ مصر ص۲۷ [5] اگر یہ شبہ کیا جائے کہ موافقت تام الفاظ منصوصہ کی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب بجائے اعوذ کے استعیذ یا استعذت یا نستعیذ کہا جائے جیسا کہ بعض لوگوں مثل صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس مضمون کے امتثالِ امر کے لئے یہی صیغہ جا بجا تعلیم کیا گیا ہے مثلاً قل اعوذ برب الناس حتی جاء بک من ھمزات الشیاطین وقل اعوذ برب الفلق وقولہ فاستعذ باللہ

ص ۲۴۷ میں ہے وفی صحیح ابی عوانۃ عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبل علینا بوجھہ فقال تعوذوا باللہ من عذاب النار قلنا نعوذ باللہ من النار اور صفحہ ۲۴۸ میں ہے وقد علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف یستعاذ فقال اذا تشھد احدکم فلیستعذ باللہ من اربع یقول اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال رواہ مسلم۔ مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہوگیا کہ مختار اور بہتر الفاظ استعاذہ یہی ہیں ۱۲ منہ عن ابن خزیمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول الفاتحۃ فی الصلوٰۃ وعدھا آیۃ ایضاً فھی آیۃ مستقلۃ منھا فی احدی الحروف السبعۃ المتفق علی تواترھا وعلیہ ثلاثۃ من القراء السبعۃ ابن کثیر وعاصم والکسائی فیعتقدونھا آیۃ منھا بل من القرآن اول کل سورۃ (من الاتحاف فی القراءات الاربعۃ عشر) وقیل آیۃ تامۃ من کل سورۃ وھو قول ابن عباس وابن عمر وسعید بن جبیر والزھری وعطاء وعبداللہ بن المبارک وعلیہ قراء مکۃ والکوفۃ وفقھاؤھا وھو قول الجدیدین للشافعی (من منار الھدی فی الوقف والابتداء) والحاصل ان التارکین اخذوا بالحال الاول والمبسملین اخذوا بالاخیر المعوّل ولا یخفی قوۃ دلیل المبسملین لاسیما مع کتابۃ البسملۃ فی اول کل سورۃ اجماعاً من الصحابۃ من شرح الشاطبیۃ لملا علی قاری ثم المبسملون بعضھم یعدّھا آیۃ من کل سورۃ سوی براءۃ وھم غیر قالون من کنز المعانی فی شرح حرز الامانی قال السخاوی تلمیذ الشاطبی واتفق القراء علیھا فی اوّل الفاتحۃ کابن کثیر وعاصم والکسائی یعتقدونھا آیۃ منھا ومن کل سورۃ والصواب ان کلا من القولین حق وانھا آیۃ من القرآن فی بعض القراءات وھی قراءۃ الذین یفصلون بھا بین السورتین ولیست آیۃ فی قراءۃ من لم یفصل بھا النشر فی القراءات العشر للعلامۃ الجزری ۱۲ منہ ؎ قراء جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ابتدائے سورہ توبہ میں عام اس سے کہ ابتدائے قراءۃ بھی یہیں سے ہو یا سورہ انفال وغیرہ کو ختم کرکے سورہ برأت شروع کی جائے بسم اللہ نہیں پڑھتے جیساکہ علامہ شاطبی نے اپنی کتاب شاطبیہ مطبوعہ مصر باب البسملۃ بین السورتین ص ۸ میں بیان کیا ہے ومھما تصلھا او تبدأ ت براءۃ ۔ لتنزیلھا بالسیف لست مبسملاً۔

یعنی جب ملائے توبہ کو کسی سورت سے یا ابتداء کرے سورۂ برارت سے تو بسم اللہ نہ پڑھے کیونکہ وہ سیف اور قتال کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ اور کتاب النشر فی القراءات العشر مطبوعہ دمشق صـ۲۶۳ میں ہے۔ لا خلاف فی حذف البسملة بین الانفال وبراءة عن کل من بسمل بین السورتین وکذلك فی الابتداء ببراءة علی الصحیح عند اهل الاداء ومن حکی الاجماع علی ذلك ابو الحسن بن غلبون وابو القاسم بن الفحام ومکی وغیرهم وهو الذی لا یوجد نص بخلافه یعنی درمیان انفال اور براءۃ کے حذف بسملہ میں خلاف نہیں ہے اُن قراء سے جنھوں نے دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھی ہے اور اسی طرح ابتداء سورۂ برأت میں بھی حذف بسملہ میں خلاف نہیں ہے بنا بر قول صحیح نزدیک اہل اداء کے اور ابو الحسن بن غلبون اور ابو القاسم بن الفحام اور مکی وغیرہ اُن لوگوں سے ہیں جنھوں نے اس عدم تسمیہ پر اجماع بیان کیا ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ جمہور قراء سورۂ برأت کے شروع میں ابتداءً اور اتصالاً کسی حالت میں بسم اللہ نہیں پڑھتے البتہ بعض لوگ مثل علامہ سخاوی اور ابو الفتح بن شیطاء وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ابتداء سورۂ برأت میں تسمیہ کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ نشر صفحہ مذکور میں ہے وقد حاول بعضهم جواز البسملة فی اولها قال ابو الحسن السخاوی انه القیاس قال لان اسقاطها اما ان یکون لان براءة نزلت بالسیف اولانهم لم یقطعوا بانها سورة قائمة بنفسها دون الانفال فان کان لانها نزلت بالسیف فذلك مخصوص بمن نزلت فیه ونحن انما نسمی للتبرك وان کان اسقاطها لانه لم یقطع بانها سورة وحدها فالتسمیة فی اوائل الاجزاء جائزة وقد علم الغرض باسقاطها فلا مانع من التسمیة، یعنی بعض لوگوں نے ابتداء سورۂ براءۃ میں جواز بسملہ کے ثابت کرنے کا ارادہ کیا ہے کہا ابو الحسن سخاوی نے کہ تسمیہ قیاس کے مطابق ہے اور کہا کہ عدم تسمیہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ برأۃ سیف وقتال کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ یا اس لئے کہ تارکین بسملہ کے نزدیک سورۂ برأت کا مستقلاً ایک سورت ہونا بدون انفال کے قطعی طور پر طے شدہ نہیں ہے، پس اگر عدم تسمیہ بسبب نزول بالسیف ہے تو وہ مخصوص ہے جن کے لئے نازل ہوئی یعنی کفار کے لئے اور ہم برکت کے لئے بسم اللہ پڑھتے ہیں اور اگر ترک بسملہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا مستقلاً ایک پوری سورۃ ہونا قطعی اور یقینی نہیں ہے تو بسم اللہ اوائل اجزاء میں جائز ہے پس بسم اللہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

بہرحال ائمہ قرأت نے ہر حالت میں اس سورت پر ترکِ بسملہ اختیار کیا اور اصل علت عدم تسمیہ کی دو معلوم ہوتی ہیں ایک سورۂ برأت کے جزءِ انفال ہونے کا احتمال، دوم مصاحف کی رسم خط میں بسم اللہ کا نہ ہونا۔ جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قول سے جو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا اسی کی تائید ہوتی ہے۔

وقد اخرج احمد واصحاب السنن وصححه ابن حبان والحاكم من حديث ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى الانفال. هي من المثاني و الى براءة وهي من المئين فقرنتم بهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم ووضعتموهما في السبع الطوال فقال عثمان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرا ما ينزل عليه السورة ذات العدد فاذا نزل عليه الشيء يعني منها دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا و كانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدينة وبراءة من آخر القرآن وكان قصتها شبيهة بها فظننت انها منها فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا انها منها۔ فتح الباری ج ۹ ص ۳۵ تا ص ۳۶

ترجمہ:۔ احمد اور اصحاب سنن نے تخریج کی ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے بروایت ابن عباس رضؓ انھوں نے کہا کہ تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا اس بات پر کہ تم نے سورۂ انفال کو جو کہ مثانی میں سے ہے اور براءۃ کو جو مئین میں سے ہے باہم ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی اور دونوں کو تم نے سبع طوال میں رکھ دیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مرتبہ لمبی سورتیں نازل ہوتی تھیں تو جب آپ پر ان میں سے کوئی حصہ نازل ہوتا تھا تو آپ اس شخص کو بلاتے جو کاتب وحی تھا اور اس سے فرماتے کہ ان آیات کو اُس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ اور سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو شروع میں مدینہ شریف میں نازل ہوئیں۔ اور سورۂ برأت قرآن کا وہ حصہ ہے جو آخر میں نازل ہوا اور اس کا قصہ سورہ انفال سے ملتا جلتا ہے۔ میں نے گمان کیا کہ یہ اُسی کا جزو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے ہم سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ اُسی کا جزو ہے الخ

اور اوساط اور اجزاء میں اختیار ہے چاہے (بسم اللہ) پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔ (اعوذ[۱]) اور (بسم اللہ) پڑھنے میں چار صورتیں ہیں (۱) فصل کُل (۲) وصل کُل۔ (۳) فصل اوّل وصل ثانی (۴) وصلِ اول فصلِ ثانی۔ جب ایک[۲] سورۃ کو ختم کرکے دوسری سورۃ شروع کرے تو تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت جائز نہیں یعنی فصل کل اور وصل کُل اور فصل اول وصل ثانی جائز ہیں اور وصلِ اول فصل ثانی جائز نہیں[۳]۔ (ف) امام عاصمؒ کے نزدیک جن کی روایت حفصؒ تمام جہاں میں پڑھی جاتی ہے ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزء[۴] ہے تو اس لحاظ سے جس سورۃ کو قاری بلا بسم اللہ

---

[۱] یہ چار صورتیں اس وقت ہیں جبکہ ابتداء قرائت شروع سورۃ سے ہو لیکن اگر ابتداء قرائت شروع سورت سے نہ ہو بلکہ اجزائے سورت سے ہو اور بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو اس وقت فصل کُل اور وصل اول فصل ثانی صرف یہی دو صورتیں ہوں گی بقیہ دو صورتیں یعنی وصل کُل اور فصل اول وصل ثانی جائز نہ ہوں گی۔ اتحاف مطبوعہ مصر ص۶ یعلم مما تقدم من التخییر فی الابتداء بالاجزاء مع ثبوت البسملۃ بین السورتین انہ لا یجوز وصل البسملۃ بجزء من اجزاء السورۃ لا مع الوقف ولا مع وصلہ بما بعدہ اذ القراءۃ سنۃ متبعۃ ولیس اجزاء السورۃ محلا للبسملۃ عند احد والمنع من ذلک اولی من منع وصلہا باٰخر السورۃ الخ [۲] اگرچہ ایک سورۃ ختم کرکے دوسری کوئی بھی سورت شروع کی جائے ترتیب قرآنی کے بموجب ہو یا نہ ہو البتہ سورۂ برأت اس حکم سے مستثنیٰ ہے (اظہار احمد تھانوی) [۳] کیونکہ اس صورت میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ پہلی سورۃ کے ختم کے سبب پڑھی گئی ہے حالانکہ بسم اللہ پڑھنے کا سبب دوسری سورۃ کا شروع کرنا ہے ۱۲ [۴] محرّرہ امر ظاہر ہے کہ بسم اللہ کا جزو ہر سورت ہونا امر قطعی نہیں کیونکہ مجتہدین وفقہاء کا اختلاف ہے احناف جزو قرآن کے قائل ہیں اور شوافع جزو ہر سورت کے قائل۔ ایسے ہی ابن کثیر عاصم کسائی کی طرف نسبت اعتقاد جزو ہر سورت کا ہونا امر ظنی ہے قطعی نہیں۔ کیونکہ کتب تفسیر اور قرارت کی کتابوں میں جن کے مؤلف شافعی المذہب ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قراء جو ہر سورت کے قائل ہیں اور ان قراء سے روایت اعتقاد جزئیت ہر سورت کی نظر سے نہیں گذری البتہ بسم اللہ کی روایت ان قراء سے قطعی ہے اور اعتقاد جزئیت مسئلہ فقہی ہے علم قرأت سے اس کو تعلق نہیں ۱۲ منہ

پڑھے گا تو وہ سورۃ امام عاصم رح کے نزدیک ناقص ہوگی ایسے ہی اگر سارا قرآن پڑھا جائے تو جتنی سورتوں میں (بسم اللہ) نہیں پڑھی ہے اتنی آیتیں قرآن شریف میں ناقص ہوں گی۔ فائدہ اگر درمیان قرأت کے کوئی کلام اجنبی ہوگیا گو کہ سلام کا جواب ہی کسی کو دیا ہو تو پھر استعاذہ کو دہرانا چاہیئے۔ فائدہ قرأت جہریہ میں استعاذہ جہر کے ساتھ ہونا چاہیئے اور اگر آہستہ سے یا دل میں استعاذہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں[1]۔ (بعض کا قول ایسا ہے)

دوسری فصل مخارج کے بیان میں

مخارج حروف کے چودہ ہیں۔ پہلا مخرج اقصیٰ حلق اس سے (ا ء ہ) نکلتے ہیں۔ دوسرا مخرج وسط حلق اس سے (ع ح) نکلتے ہیں تیسرا مخرج ادنیٰ حلق اس سے

---

[1] کیونکہ آیت کے اندر اطلاق ہے استعاذہ بالسر یا بالجہر کی قید نہیں ۱۲ منہ یہ اختلاف چودہ سولہ اور سترہ کا حقیقی اختلاف نہیں ہے قراء نے ل ن ر میں قرب کا لحاظ کرکے ایک کہدیا۔ سیبویہ اور خلیل نے قرب کا لحاظ نہ کرکے الگ مخرج ہر ایک کا بیان کیا جیسا کہ محققین کا قول ہے کہ ہر حرف کا مخرج علیحدہ ہے مگر نہایت قرب کی وجہ سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حروفِ مدہ کا مخرج خلیل نے جوف کہا ہے قراء اور سیبویہ نے مدہ وغیرہ کا ایک ہی مخرج کہا ہے مخرج جوف زائد نہیں کیا اس میں تحقیق یہ ہے کہ الف بالکل ہوائی حرف ہے اس میں اعتماد صوت کا کسی جزءِ معین پر نہیں ہوتا اس واسطے قراء سیبویہ نے مبدءِ مخارج یعنی اقصاءِ حلق اس کا مخرج کہا ہے اور حرف (و، یا) جب مدہ ہوں تو اس وقت اعتماد صوت کا لسان وشفتین پر نہایت ضعیف ہوتا ہے، مگر ہوتا ضرور ہے تو قراء سیبویہ نے اس اعتماد ضعیف کی وجہ سے مدہ وغیر مدہ کے مخرج میں فرق نہیں کیا خلیل نے ضعف وقوت کا لحاظ کرکے ایک مخرج جوف زائد کیا ہے ۱۲ منہ[2] اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حروفِ حلقی الف سمیت سات ہوگئے کیونکہ حروف حلقی کی تعداد مشہور جمہور کے نزدیک چھ ہی ہے چونکہ الف بالاتفاق ہوائی اور جوفی ہے۔ اور ابتداءِ جوف کی اقصاءِ حلق سے ہوتی ہے اس وجہ سے قراء نے ابتداءِ جوف کے لحاظ سے الف کا مخرج اقصائے حلق قرار دیدیا جیسا کہ مخارج کے بیان میں فائدہ نمبر ۱ سے واضح ہے ۱۲

(غ خ) نکلتے ہیں چوتھا مخرج اقصیٰ لسان اور اوپر کا تالو اس سے (ق) نکلتا ہے پانچواں مخرج قاف کے مخرج سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر اس سے (ك) نکلتا ہے۔ ان دونوں حرفوں کو یعنی ق اور ك کو حروفِ لہویہ[1] کہتے ہیں۔ چھٹا مخرج وسطِ[2] لسان اس سے (ج ش ی) نکلتے ہیں ساتواں مخرج حافۂ لسان اور ڈاڑھوں کی جڑ اس سے (ض) نکلتا ہے۔ آٹھواں مخرج طرفِ لسان اور دانتوں کی جڑ اس سے (ل ن ر) نکلتے ہیں۔ نواں مخرج نوک زبان اور ثنایا علیا کی جڑ اس سے (ط د ت) نکلتے ہیں۔ دسواں مخرج نوک زبان اور ثنایا علیا کا کنارہ اس سے (ظ ذ ث) نکلتے ہیں۔ گیارہواں مخرج نوک زبان اور ثنایا اسفلیٰ کا کنارہ مع اتصال ثنایا علیا کے اس سے (ص ز س) نکلتے ہیں۔ بارہواں مخرج نیچے کا لب اور ثنایا علیا کا کنارہ اس سے (ف) نکلتا ہے۔ تیرہواں مخرج دونوں لب اس سے (ب م و) نکلتے ہیں۔ چودہواں مخرج خیشوم[3] اس سے غنہ نکلتا ہے مراد اس سے نونِ مخفی و مدغم بادغامِ ناقص ہے۔

(فائدہ) یہ مذہب فرّاء وغیرہ کا ہے اور سیبویہ کے نزدیک سولہ مخارج ہیں، انھوں نے (ل) کا مخرج حافۂ لسان اس کے بعد (ن) کا مخرج کہا ہے اس کے بعد (ر) کا مخرج ہے اور خلیل کے نزدیک سترہ ہیں انھوں نے (ل ن ر) کا مخرج جُدا جُدا رکھا ہے اور حروفِ علّت جب مدّہ ہوں ان کا مخرج جوف کہا ہے۔

---

[1] منسوبۃ الی اللھات وھی لحمۃ مشتبکۃ باٰخر اللسان یعنی زبان کی جڑ کے مقابل ایک پارچہ گوشت ہے جسے اردو میں کوّا کہتے ہیں اسی کی طرف نسبت ہے ۱۲ [2] اور وسطِ تالو ۱۲ [3] غنہ صوت خیشومی کا نام ہے اور یہ سب حرفوں میں ممکن الادا ہے مگر ن م میں صفت لازمہ کے طور سے ہے اور جب یہ دونوں حرف مشدّد یا مُخفیٰ یا مدغم بالغنہ ہوں تو اس وقت یہ صفت علیٰ وجہ الکمال پائی جاتی ہے اور ان حالتوں میں خیشوم کو ایسا دخل ہے کہ بغیر اس صفت کے ن م بالکل ادا ہی نہ ہوں گے یا نہایت ناقص ادا ہوں گے لہٰذا قرّاء نے لکھا ہے کہ ن م کا مخرج ان حالتوں میں خیشوم ہے۔ اب کئی اعتراض ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ سب صفاتِ لازمہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ بغیر ان کے حرف ادا نہیں ہوتا تو سب کا مخرج بیان کرنا چاہیئے اور مخرج بدلنا چاہیئے یا دو مخرج لکھنا چاہیئے۔ جواب ... غنہ کا مخرج سب مخارج سے علیحدہ ہے اس واسطے بیان کرنے کی حاجت ہوئی

بخلاف اور صفات کے کہ انھیں مخارج سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سے حروف نکلتے ہیں۔ دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ نَ مشدّد اور مدغم بالغنہ اور مَ مطلقاً خواہ مشدّد ہو یا مخفی ان صورتوں میں اصلی مخارج سے نکلنے میں تبدیلِ مخرج تو نہیں معلوم ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخرج اصلی کو بھی دخل ہے اور خیشوم کو بھی تاکہ علیٰ وجہ الکمال ادا ہوں۔ تیسرا شبہ یہ ہے کہ نون مخفی کو بعض قرار زمانہ لکھتے ہیں کہ اس میں لسان کو ذرہ بھر دخل نہیں اور کتب تجوید کی بعض عبارت سے ان کی تائید ہوتی ہے مگر غور و خوض کیا جائے اور سب کے اقوالِ مختلفہ پر نظر کی جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نون مخفی میں لسان کو بھی دخل ہے مگر ضعیف اسی وجہ سے کالعدم سمجھا گیا جیسا کہ حروفِ مدہ میں اعتماد ضعیف سے قطعِ نظر کر کے خلیل وغیرہ نے ان کا مخرج جوف بیان کیا ہے ایسا ہی نون مخفی کا حال ہے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے حرف حنفی یخرج من الخیشوم لاعمل للسان فیہ ترجمہ یعنی ایک حرف حنفی ہے جو نکلتا ہے ناک کے بانسہ سے زبان کا اس میں کوئی کام نہیں۔ اب لاعمل للسان کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ لسان کو ذرہ بھر دخل نہیں، کیونکہ نکرہ منفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اگر یہ صحیح مانا جائے تو حرف کا اطلاق صحیح نہیں اس واسطے کہ حرف کی تعریف ملّا علی قاری وغیرہ نے لکھی ہے کہ صوت یعتمد علیٰ مقطع محقق او مقدر ترجمہ یعنی حرف ایک آواز ہے جو ٹکتی ہے کسی مخرج محقق یا مقدر پر۔ مقطع محقق کو اجزاء حلق لسان شفت بیان کیا اور مقطع مقدر جوف کو بیان کیا لہٰذا لاعمل للسان میں عمل خاص کی نفی ہے جیسا کہ آگے کی عبارات سے معلوم ہو جائیگا۔ ثانیاً ملّا علی قاری کی عبارت سے بھی عمل لسان ثابت ہے وہ لکھتے ہیں کہ وان النون المخفاۃ مرکبۃ من مخرج الذات ومن تحقق الصفۃ فی تحصیل الکمالات ترجمہ نون مخفی مرکب ہے مخرج ذات سے اور کمالات کی تحصیل میں صفت کے پائے جانے سے تحقق الصفت کے معنیٰ وجودِ غنہ اور اس کا مخرج خیشوم ہے فثبت ما قلنا ثالثاً۔ امام جزری نشر فی القرارت العشر میں لکھتے ہیں المخرج السابع عشر الخیشوم وھو الغنۃ وھی تکون فی النون والمیم الساکنین حالۃ الاخفاء وما فی حکمہ من الادغام بالغنۃ فان مخرج ھذین الحرفین یتحول فی ھذہ الحالۃ عن مخرجھا الاصلی علی القول الصحیح کما یتحول مخرج حروف المد من مخرجھا الی الجوف علی الصواب ترجمہ سترہواں مخرج خیشوم ہے اور وہ غنہ کا مخرج ہے جو کہ نون ساکن میں اخفاء یا ادغام بالغنہ کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے کہ ان دونوں حرفوں کا مخرج اس حالت میں قول صحیح کی بناء پر اپنے اصلی مخرج سے پلٹ جاتا ہے جیسا کہ حروفِ مد کا مخرج ان کے مخرج سے جوف کی طرف پلٹ جاتا ہے بنا بر قول صواب کے پھر آگے احکام النون الساکنہ والتنوین کی تنبیہات میں

لکھتے ہیں الاوّل مخرج النون والتنوین مع حروف الاخفاء الخمسۃ عشر من الخیشوم فقط ولا حظ لہما معہن فی الغنۃ لانہ لا عمل للسان فیہما کعملہ فیہما مع ما یظہران او یدغمان بغنۃ ترجمہ اول نون اور تنوین کا مخرج معہ پندرہ حروف اخفاء کے فقط خیشوم سے ہے اور ان دونوں میں ان حروف کے ساتھ منہ میں زبان کا کوئی حصّہ نہیں اس لئے کہ ان دونوں میں زبان کا کوئی کام نہیں پڑتا جیسا کہ ان دونوں میں اظہار یا ادغام بالغنۃ کی صورت میں ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفی کی قید ہے مطلق عمل کی نہیں یعنی اظہار اور ادغام بالغنۃ میں جو عمل ہے یہ نون مخفی میں نہیں اب اگر تحول کے معنیٰ انتقال اور تبدل کے مراد ہوں تو لا عمل کعملہ مع ما یدغمان بغنۃ اس کے معارض ہوگا لہٰذا مراد تحول سے توجہ اور میلان ہے اس طرح پر کہ محول عنہ و محول الیہ دونوں کو دخل ہے مگر نون خفیفہ میں بہ نسبت نون مشدّدہ کے لسان کو بہت کم دخل ہے بخلاف نون مشدّد و مدغم بالغنۃ و میم مخفاۃ کے کہ ان میں لسان و شفت کو زیادہ دخل و عمل ہے ایک بات اور یہاں سے ظاہر ہوتی ہے کہ نون مخفی میں لسان کو ایسا عمل بھی نہ ہو جیسا کہ نون اور میم مشدّد میں ہوتا ہے اور نہ مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد ہو جیسا کہ (و، یا، ل، ر) میں بحالتِ ادغام بالغنہ اعتماد ہوتا ہے کیونکہ ان حرفوں میں ادغام بالغنہ کی صورت یہ ہے کہ نون کو مابعد کے حرف سے بدل کر اوّل حرف کو اس کے مخرج سے معہ صوت می کے ادا کریں اسی وجہ سے اس نون کو جو (یا، و، ل، ر) میں مدغم بالغنہ ہوتا ہے اس کو حرف کے ساتھ کسی نے تعبیر نہیں کیا کیونکہ یہاں ذات نون بالکل منعدم ہوگئی ہے اور نہ اصلی مخرج سے کچھ تعلق رہا ہے صرف غنہ باقی ہے جس کا محل خیشوم ہے بخلاف نون مخفی کے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے حرف خفی یخرج من الخیشوم ولا عمل للسان فیہ ولا شائبۃ حرف آخر فیہ۔ ترجمہ (وہ ایک حرف خفی ہے جو خیشوم سے نکلتا ہے اور زبان کا اس میں کوئی کام نہیں رہا، اور مابعد کے حرف کا اس میں کوئی شائبہ نہیں) اب امام جزری کے قول سے بھی ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں لسان کو بھی کچھ دخل ہے نہایت القول المفید میں نشر سے زیادہ صاف مطلب نکلتا ہے پہلے لکھا ہے کہ خیشوم مخرج ہے نون میم غیر مظہر کا پھر لکھتے ہیں کہ لا یقال لا بد من عمل اللسان فی النون والشفتین فی المیم مطلقاً حتیٰ فی حالۃ الاخفاء والادغام بغنۃ وکذا الخیشوم عمل حتیٰ فی حالۃ الاظہار والتحریک فلم ہذا التخصیص لانہم نظروا للاغلب فحکموا لہ بانہ المخرج فلما کان الاغلب فی حالۃ اخفائہما وادغامہما بغنۃ عمل الخیشوم جعلوہ مخرجہما حینئذ وان عمل اللسان والشفتان ایضا ولما کان

(بقیہ ص۲۰ پر)

تیسری فصل صفات کے بیان میں

جہر[۱] بمعنی شدت اور زور سے پڑھنے کے ہیں اس کی ضد ہمس ہے یعنی نرمی[۲] کے ساتھ پڑھنا اور اس کے دس حروف ہیں جن کا مجموعہ (فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ) ہے ان حروف کے ماسوا سب مجہورہ ہیں۔ شدید کے آٹھ حرف ہیں جن کا مجموعہ (اَجِدُ قَطٍ بَكَتْ) ہے ان کے سکون[۳] کے وقت آواز رک جاتی ہے۔ پانچ حروف متوسط ہیں جن کا مجموعہ (لِنْ عُمَرْ) ہے ان میں بالکل آواز بند نہیں ہوتی۔ باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسط کے سب رخوہ ہیں ان کی آواز جاری ہو سکتی ہے[۴] (خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ) یہ حروف

(حاشیہ ص۱۹) الاغلب فی حالۃ التحرک والاظہار عمل اللسان والشفتین جعلوھا المخرج وان عمل الخیشوم حینئذ ایضاً الخ رابعاً عنہ اور اخفاء کے غرض تحسینِ لفظ اور جو ثقل ترکیب حروف سے پیدا ہوا اس کی تخفیف مقصود ہوتی ہے اور ایسے اخفاء سے کہ جس میں لسان کو ذرہ بھر بھی تعلق نہ ہو محال نہیں متعسر ضرور ہے اور صورت بھی کریہہ ہو جاتی ہے۔ اگر کچھ بناکر تکلف سے ادا کیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ نون مخفاۃ کے ادا کرتے وقت زبان حنک سے قریب متصل ہوگی مگر اتصال نہایت ضعیف ہوگا۔ ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] اس جگہ شدت سے قوت کے معنی مراد ہیں سختی کے معنی مراد نہیں ورنہ جہر اور شدت کا شئ واحد ہونا اور ہر حرف مجہورہ کا شدیدہ ہونا لازم آئے گا حالانکہ بعض حروف مجہورہ صفتِ رخاوت سے متصف ہیں مثلاً (ذ ز وغیرہ) جیسا کہ نقشۂ صفات لازمہ سے واضح ہے ۱۲ [۲] یہاں نرمی سے مراد ضُعف ہے جو مقابل ہے قوت کا وہ نرمی مراد نہیں جو سختی کے مقابل ہے ورنہ ہر حرف مہموسہ کا رخوہ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ کاف اور تاء مہموسہ شدیدہ ہیں ۱۲ [۳] چونکہ جریان اور احتباسِ صوت کا ادراک اور احساس سکون کی حالت میں واضح طور پر ہوتا ہے اس لئے سکون کی قید لگائی ورنہ مطلقاً ہر حالت میں یہ صفت پائی جاتی ہے جیسا کہ صفتِ غنہ نون اور میم متحرک میں بھی ہوتی ہے مگر سکون کی حالت میں زیادہ صاف معلوم ہوتی ہے ۱۲ [۴] مطلب یہ ہے کہ ان کے تلفظ میں جس درجہ کا جریانِ صوت ضروری ہے اس سے بھی زیادہ ممکن ہے جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے ۱۲

متصف ہیں ساتھ استعلاء کے یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو کی طرف بلند ہو جاتا ہے۔ ان کے واسوا سب حروف استفال[1] کے ساتھ متصف ہیں ان کے ادا کرتے وقت اکثر زبان کا حصہ بلند نہ ہوگا (صططغض) یہ حروف متصف ہیں ساتھ اطباق کے یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے۔ ان چاروں حرفوں کے سوا باقی حروف انفتاح سے متصف ہیں یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر زبان تالو سے ملتی نہیں یہ صفات جو ذکر کئے گئے ہیں متضادہ ہیں جہر کی ضد ہمس ہے اور رخوۃ کی ضد شدت ہے اور استعلاء کی ضد استفال ہے اور اطباق کی ضد انفتاح ہے تو ہر حرف چار صفتوں[2] کے ساتھ ضرور متصف ہوگا باقی صفات کی ضد نہیں ہے۔ قلقلہ کے پانچ حرف ہیں جن کا مجموعہ (قُطْبُ جَدٍّ) ہے مگر قاف میں قلقلہ واجب باقی چار حروف میں جائز ہے[3]۔

---

[1] استفال کو انفتاح لازم ہے لہٰذا ہر مستفلہ حرف منفتحہ ضرور ہوگا اور انفتاح کو استفال لازم نہیں۔ پس ہر منفتحہ حرف کا مستفلہ ہونا ضروری نہیں جیسا کہ ع خ ف ق سے ظاہر ہے۔ حاصل یہ کہ صفت انفتاح ایک ایسی کیفیت ہے جو استفال اور استعلاء دونوں کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے ۱۲ [2] اطباق اور استعلاء میں بھی وہی نسبت عموم خصوص کی ہے یعنی ہر منطبقہ مستعلیہ ضرور ہوگا لیکن ہر مستعلیہ کا منطبقہ ہونا ضروری نہیں ہے ۱۲ [3] اکثر مصنفین نے صفت اصمات اور اذلاق کو بھی صفات متضادہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے چنانچہ جزری میں بھی موجود ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے شاید اس لئے یہ صفات بیان نہیں فرمائیں کہ ان دونوں صفتوں کو دیگر صفات لازمہ کی سی اہمیت حاصل نہیں چنانچہ مطولات کتب فن مثل نشر و جہد المقل میں ان کا کہیں پتہ نہیں اور نہ ان کی تعریف میں کوئی وصف یا کیفیت بیان کی گئی ہے واللہ اعلم ۱۲ [4] اس کا مقصود یہ نہیں کہ علاوہ قاف کے بقیہ چار حرفوں میں قلقلہ کرنا یا نہ کرنا دونوں کا اختیار دیا گیا یا قلقلہ کا وجود اور عدم دونوں مساویانہ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قاف میں قلقلہ کا اظہار بمقابلہ بقیہ حروف کے زیادہ کرنا چاہیے جیسا کہ تجوید کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے مثلاً علامہ شاطبی فرماتے ہیں وفی قطب جد خس قلقلۃ علا + واعرفہن القاف کی یعدلہا

ترجمہ اور کلمہ قطب جدٍ میں پانچ حروف قلقلہ کے مشہور ہیں اور ان میں زیادہ مشہور قاف ہے جس کو سب لوگ اعرف حروف قلقلہ میں شمار کرتے ہیں اور علامہ جزری فرماتے ہیں وبینن مقلقلا ان سکنا۔ وان یکن فی الوقف کان ابینا۔ اور شرح شاطبی علامہ ملا علی قاری مطبوعہ دہلی ص ۱۳۶ میں ہے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) وقال ابن الحاجب هو صوت فلق الحنجرة وكل من القراء يجعل القاف منها لقوة ضغطها قال ابو الحسن اصل القلقلة القاف وقال ابو العباس بعضها اشد من بعض والمستقرة غيرها اور تمام قاری قاف کو حروف قلقلہ سے قرار دیتے ہیں بسبب اس کی گرفت کی قوت کے ابو الحسن نے کہا اصل حروف قلقلہ میں قاف ہے ابو العباس نے کہا کہ ان میں بعض بعض سے زیادہ شدید ہیں۔ اور علاوہ حروف قلقلہ کے بقیہ حروف مستقرہ یعنی غیر قلقلہ ہیں اور نہایت القول المفید مطبوعہ مصر ص۵۲ میں ہے والحال ان القلقلة صفة لازمة لهذه الاحرف الخمسة لكنها في الموقوف عليها اقوى منها في الساكن الذي لم يوقف عليه وفي المتحرك قلقلة ايضاً لكنها اقل فيه من الساكن الذي لم يوقف عليه لان تعريف القلقلة باجتماع الشدة والجهر كما في المرعشي يشيراً لى ان حروف القلقلة لا تنفك عن القلقلة عند تحركها ظاهرة كما ان حروف الغنة وهما النون والميم لا يخلوان عن الغنة عند تحركها وان لم تظهر فبذلك تبين ان مراتبها ثلاثة وهذه القلقلة بعضها اشد من بعض واقواها القاف بالاتفاق لشدة ضغطه واستعلائه انتهى۔ ترجمہ اور حاصل یہ ہے کہ قلقلہ ان پانچوں حرفوں کی صفت لازمہ ہے لیکن وہ موقوف علیہ میں بہ نسبت اس ساکن کے جس پر وقف نہ کیا جائے زیادہ قوی ہوتا ہے، اور متحرک میں بھی قلقلہ ہوتا ہے مگر وہ اس ساکن کی نسبت کم ہوتا ہے جس پر وقف نہ کیا جائے اس لئے کہ قلقلہ کی تعریف شدت اور جہر کے اجتماع کے ساتھ جیسا کہ مرعشی میں ہے اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ حرف قلقلہ اپنے تحرک کے وقت قلقلہ سے جدا نہیں ہوتے گو حرکت کے وقت قلقلہ ظاہر نہ ہو جیسا کہ دونوں حروف غنہ یعنی نون اور میم حرکت کی حالت میں غنہ سے خالی نہیں ہوتے اگرچہ غنہ ظاہر نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ قلقلہ کے تین درجے ہیں اور یہ حروف قلقلہ بعض بعض سے زیادہ شدید ہیں، اور سب سے زیادہ قوی قاف ہے بالاتفاق بسبب اس کی گرفت کی سختی اور اس کے استعلاء کے۔ انتہیٰ۔ پس جملہ عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ قاف میں صفت قلقلہ نسبتاً دوسرے حرفوں کے اقویٰ ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بقیہ حروف میں یہ صفت معدوم ہے ورنہ بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں (۱) تجوید کی معتبر کتابوں میں صفت قلقلہ کو صفات لازمہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور صفت لازمہ کے انفکاک سے موصوف کا ناقص ادا ہونا مسلّم ہے۔ پس انعدام صفت قلقلہ سے حروف قلقلہ کی ادائیگی کامل طور پر کس طرح ہو سکتی ہے (۲) کلمات احطت بسطت فرطت وغیرہ میں سب کے نزدیک ادغام ناقص ثابت ہے بالفرض اگر طا میں صفت قلقلہ کا انعدام صحیح اور جائز رکھا جائے تو پھر اظہار اور ادغام میں کوئی فرق ما بہ الامتیاز باقی نہیں رہتا اور نہ ثبوت ادغام کے لئے کوئی دلیل پائی جاتی ہے واللہ اعلم ۱۲

قلقلہ کے معنیٰ مخرج میں جنبش دینا سختی کے ساتھ (را) میں صفت تکرار کی ہے مگر اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کرنا چاہیئے (ش) میں صفت تفشی ہے یعنی منہ میں صوت

لہ تکرار کے لغوی معنیٰ اعادۃ الشیٔ مرۃ او اکثر یعنی کسی شی کا مکرر سہ کرر ہونا اور اصطلاحی معنیٰ مشابہت تکرار کے ہیں مطلب یہ کہ را کی ادائیگی میں کچھ مشابہت تکرار ہونا چاہیئے یہ صفت ادائی اور لازمی ہے ورنہ بجائے را کے واؤ مفخم ہو جاوے گا جیسا کہ بعض لوگوں کا تلفظ مشاہد ہے اور چونکہ تکرار حقیقی کی بھی صلاحیت را میں پائی جاتی ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے ورنہ بجائے ایک را کے دو اور بجائے دو کے چار ہو جائیں گے خصوصاً را مشدد میں اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے جیسا کہ مرعشی میں ہے لیس معنیٰ اخفاء تکریرہ اعدام تکریرہ بالکلیۃ باعدام ارتعاد راس اللسان بالکلیۃ لان ذٰلک لایمکن الا بالمبالغۃ فی لصق راس اللسان باللثۃ بحیث ینحصر الصوت بینہما بالکلیۃ کما فی الطاء المہملۃ وذٰلک خطأ لا یجوز۔ ترجمہ (را کی تکریر کو پوشیدہ کرنے کے معنیٰ یہ نہیں کہ زبان کے سرے کی کپکپی کو مٹا کر اس کی تکریر کو بالکل مٹا دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب زبان کے سرے کو مسوڑھے کے ساتھ چمٹانے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ آواز ان دونوں کے درمیان بالکل رُک جائے جیسا کہ طا میں ہوتا ہے اور یہ غلطی ہے جو جائز نہیں اور نہایت القول المفید میں ہے قال سیبویہ اذا تکلمت بالراء خرجت کانہا مضاعفۃ وذٰلک لما فیہ من التکریر الذی انفردت بہ دون سائر الحروف وقد توہم بعض الناس ان حقیقۃ التکریر ترعید اللسان بہا المرۃ بعد المرۃ فاظہر ذٰلک تشدیدہا کما یفعلہ بعض الاندلسیین والصواب التحفظ من ذٰلک باخفاء تکریرہا کما ہو مذہب المحققین وقد بالغ قوم فی اخفاء تکریرہا مشددۃ فیاتی بہا منحصرۃ شبیہۃ بالطاء وذٰلک خطأ لا یجوز لان ذٰلک یؤدی الی ان یکون الراء من الحروف الشدیدۃ مع انہ من الحروف البینیۃ فینبغی للقاری عند النطق بہا ان یلصق ظہر لسانہ باعلی حنکہ لصقا محکما مرۃ واحدۃ بحیث لا یرتعد لانہ متی یرتعد حدث من کل مرۃ راء فاذا نطق بہا مشددۃ وجب علیہ التحفظ من تکریرہا وتادیتہا برفق من غیر مبالغۃ فی الحصر نحو قولہ الرحمٰن الرحیم الخ ترجمہ سیبویہ نے کہا جب تم را کا تلفظ کرو گے تو گویا وہ دوہری ہو کر نکلے گی اس لئے کہ اس میں وہ تکرار پائی جاتی ہے کہ جس کے ساتھ باقی حروف کے علاوہ وہی مخصوص ہے بعض لوگوں نے وہم کیا ہے کہ تکریر کی حقیقت زبان کو

(بقیہ حاشیہ ص۲۴ پر)

پھیلتی ہے اور (ض) میں صفت استطالہ ہے اور (ص ز س) حروفِ صفیرہ کہلاتے ہیں۔ (ن۔ م) میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ناک[1] میں آواز جاتی ہے اور کسی حرف میں یہ صفت نہیں ہے اور ان صفاتِ متضادہ سے چار صفتیں یعنی جہر شدت استعلاء اطباق قویہ ہیں باقی ضعیف ہیں اور صفاتِ غیر متضادہ سب قویہ ہیں تو ہر حرف میں جتنی صفتیں قوت کی ہونگی اتنا ہی حرف قوی ہوگا اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اتنا ہی حرف ضعیف ہوگا۔

اقوی حروف	قوی حروف	متوسط حروف	ضعیف حروف	اضعف حروف
ض ظ ق	ج د ص غ ر ب	ز ت خ ز ع ك ا ء	س ش ل و ی	ث ح ن م ف ہ

(فائدہ) ہمزہ میں شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے مگر نہ اس قدر کہ ناف ہل جائے ناف سے حروف کو کچھ علاقہ ہی نہیں (فائدہ) (ف ہ) یہ دونوں حرف اضعف الحروف ہیں۔ نہایت ہی نرمی سے ادا ہونا چاہیئے (فائدہ) حرف (ع ح) کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا جائے بلکہ وسطِ حلق سے نہایت لطافت سے بلا تکلف نکالنا چاہیئے۔

(حاشیہ ص۲۳) بار بار کپکپانا ہے اور اس نے اس کی تشدید کے وقت اس بات کو ظاہر کیا جیسا کہ بعض اندلسی کرتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ تکرار کو پوشیدہ رکھ کر اس سے بچا جائے کہ محققین کا مذہب ہے اور بعض لوگ تشدید کی حالت میں اس کی تکریر کے چھپانے میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس کو رُکا ہوا نکالتے ہیں۔ طاء کے مشابہ اور یہ غلطی ہے جو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ راء حروفِ شدیدہ میں سے ہو جائے گی باوجودیکہ حروف بینیہ یعنی متوسط میں سے ہے اس لئے قاری کو مناسب ہے کہ اس کے تلفظ کے وقت اپنی زبان کی پُشت کو تالو کے اعلیٰ حصہ سے ایکبار ضرور چپٹائے اس طرح کہ لرزے نہیں۔ اس لئے کہ اگر زبان لرزیگی تو ہر مرتبہ ایک راء پیدا ہوگی اور جب اس کو مشدد تلفظ کرے تو واجب ہے اس کی تکریر سے بچنا اور اس کو نرمی کے ساتھ بلا حصر میں مبالغہ کئے ہوئے ادا کرے جیسا الرحمٰن الرحیم الخ پس ان اقوال سے واضح ہو گیا کہ نفس مشابہت تکرار صفت لازمہ اور ذاتی ہے وہ ادا ہونا چاہیئے اور احتراز کا حکم حقیقی تکرار سے ہے جو غیر ذاتی ہے اس سے بچنا لازمی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] جس کو غنہ کہتے ہیں اور غنہ کی تعریف یہ ہے ھی صوت اغن شبیہ بصوت الغزالۃ اذا اضاع ولدھا یعنی غنہ ایک بھنبھناہٹ والی آواز ہے جو مشابہ ہے ہرنی کی اس آواز سے جب وہ اپنے بچہ کے گم ہو جانے پر بولتی ہے ۱۲

(بقیہ حاشیہ ص۲۵ پر)

چوتھی فصل ہر حرف کی صفاتِ لازمہ[1] کے بیان میں

نمبر شمار	اشکال حروف	اسمائے صفات لازمہ
۱	ا	مجہور رخو مستفل منفتح مدہ مفخم یا مرقق
۲	ب	مجہور شدید مستفل منفتح قلقلہ
۳	ت	مہموس شدید مستفل منفتح
۴	ث	مہموس رخو مستفل منفتح
۵	ج	مجہور شدید مستفل منفتح قلقلہ
۶	ح	مہموس رخو مستفل منفتح
۷	خ	مہموس رخو مستعلیہ منفتح
۸	د	مجہور شدید مستفل منفتح مقلقل
۹	ذ	مجہور رخو مستفل منفتح
۱۰	ر	مجہور متوسط مستفل منفتح تکرار مفخم یا مرقق
۱۱	ز	مجہور رخو مستفل منفتح صفیر
۱۲	س	مہموس رخو مستفل منفتح صفیر
۱۳	ش	مہموس رخو مستفل منفتح تفشی
۱۴	ص	مہموس رخو مستعل مطبق صفیر مفخم
۱۵	ض	مجہور رخو مستعل مطبق مستطیل مفخم
۱۶	ط	مجہور شدید مستفل مطبق مقلقل مفخم
۱۷	ظ	مجہور رخو مستعل مطبق مفخم
۱۸	ع	مجہور متوسط مستفل منفتح
۱۹	غ	مجہور رخو مستعل منفتح
۲۰	ف	مہموس رخو مستفل منفتح
۲۱	ق	مجہور شدید مستعل منفتح قلقلہ مفخم
۲۲	ك	مہموس شدید مستفل منفتح
۲۳	ل	مجہور متوسط مستفل منفتح مرقق یا مفخم
۲۴	م	مجہور متوسط مستفل منفتح غنہ
۲۵	ن	مجہور متوسط مستفل منفتح غنہ
۲۶	و	مجہور رخو مستفل منفتح
۲۷	ہ	مہموس رخو مستفل منفتح
۲۸	ء	مجہور شدید مستفل منفتح
۲۹	ی	مجہور رخو مستفل منفتح

[1] نقشہ ہذا میں جو بعض حروف کے صفات کے سلسلہ میں مفخم یا مرقق لکھا ہے اس ترقیق یا تفخیم کو صفات لازمہ سے نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ استعلاء کو تفخیم اور استفال کو ترقیق عارض ہو جاتی ہے مگر چونکہ للاکثر حکم الکل سوائے ترقیق اور تفخیم کے بقیہ تمام صفات لازمہ ہی ہیں اس وجہ سے سُرخی میں صفات لازمہ ہی لکھ دینے پر اکتفا کیا گیا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) [2] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ضعیف اور نرم ادا کرنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ (ف) مثل واؤ کے اور (ہ) مثل ہمزہ مسہلہ کے ہو جائے جیسا کہ بعض لوگوں کا تلفظ شاہد ہے ۱۲

پانچویں فصل صفاتِ ممیزہ کے بیان میں

حروف اگر صفاتِ لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج سے ممتاز ہوتے ہیں اگر مخرج میں متحد ہوں تو صفتِ لازمہ منفردہ[1] سے ممتاز ہوتے ہیں جن حرفوں میں تمایز بالمخرج ہے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ حروف متحدہ فی المخرج کے بیان کرنے کی ضرورت ہے (ا ء ہ) میں الف ممتاز ہے مدیت میں اور (ء) ممتاز ہے (ہ) سے جہر اور شدت میں باقی صفات میں یہ دونوں متحد ہیں (ع ح) ح میں ہمس اور رخاوت ہے (غ) میں جہر و توسط باقی میں اتحاد (ع خ) ع میں جہر ہے باقی میں اتحاد (ج ش ی) ج میں شدت ہے (ش) میں ہمس و تفشی ہے باقی استفال اور انفتاح میں تینوں مشترک ہیں اور جہر میں (ج ی) اور رخاوت میں (ش ی) (ط د ت) شدت میں اشتراک اور (ط د) جہر میں بھی مشترک ہیں اور (ت د) استفال و انفتاح میں مشترک ہیں۔ اور (ط) میں اطباق استعلا ہے اور (ت) میں ہمس ہے (ظ ذ ث) رخاوت میں اشتراک ہے اور (ظ ذ) جہر میں اور (ذ ث) میں صفت ممیزہ جہرہ ہمس ہے (ص ز س) رخاوت صفیر میں مشترک اور (ص س) ہمس میں اور (ز س) استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور (ص) میں صفت ممیزہ استعلا اطباق اور (ز س) میں جہر ہمس ہے (ل ن ر) جہر توسط استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور (ل ر) انحراف[2] میں مشترک ہیں اور ان میں تمائز مخرج سے ہے۔ اسی واسطے سیبویہ اور

---

[1] اس جگہ منفردہ متضادہ کے مقابل مراد نہیں بلکہ اس کا انفراد اس حیثیت سے ہے کہ اپنے مجانس متحد المخرج میں نہ پائی جائے صرف تنہا اسی حرف میں ہو مثلاً ع ح متحد المخرج ہیں ایک میں صفت ممیز ہمس ہے اور دوسرے میں جہر ۱۲

[2] صفات منفردہ میں ایک صفت انحراف بھی ہے جس کے لغوی معنی میل اور عدول کے ہیں اور اصطلاحی معنی لوٹنے اور پھرنے کے ہیں یہ صفت (ل ر) کی ہے مطلب یہ ہے کہ لام کی ادائیگی میں زبان کا کنارا را کی طرف آگے بڑھتا ہے اور را کی ادائیگی میں کچھ لام اور کچھ پُشت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ منہ (ط، د) قلقلے میں بھی مشترک ہیں۔ اظہار احمد

خلیل نے ان کا مخرج الگ ترتیب وار رکھا ہے اور فراء نے قرب کا لحاظ کر کے ایک مخرج بیان کیا ہے دوسرے یہ کہ (ن) میں غنہ ہے اور (ر) میں تکرار (و ب م) جہر استفال انفتاح میں مشترک اور (و) کے ادا کرتے وقت شفتین میں کسی قدر انفتاح رہتا ہے اس وجہ سے اپنے مجانسوں سے ممتاز ہو جاتا ہے گویا اس میں بھی تمایز بالمخرج ہے اور (ب) میں شدّت اور قلقلہ اور (م) میں توسط اور غنہ ممیزہ ہے اور (ض ظ) میں جہر رخاوت استعلاء اطباق ہے اور (ض) میں استطالہ ہے اور ممیز مخرج ہے مگر اشتراک صفات ذاتیہ کی وجہ سے فرق کرنا اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا ماہرین کا کام ہے اور ماہر کے فرق کو بھی ماہر ہی خوب سمجھتا ہے۔[1]

---

[1] فائدہ۔ حرف (ضاد) ضعیف کو ابن الحاجب نے جو کہ امام شاطبیؒ کے شاگرد ہیں شافیہ میں حروف مستجنہ سے لکھا ہے اور امام رضی اس کی شرح میں لکھتے ہیں قال السیرافی انها فی لغة قوم لیس فی لغتهم ضاد فاذا احتاجوا الی التکلم بها فی العربیة اعتاصت علیهم فربما اخرجوها ظاء لاخراجهم ایاها من طرف اللسان واطراف الثنایا وربما تکلفوا فی اخراجها من مخرج الضاد فلو یتأت لهم فخرجت بین الضاد والظاء ترجمہ سیرافی نے کہا کہ یہ بات اس قوم کی زبان میں ہے جن کی زبان میں ضاد نہیں جب انھیں عربی زبان میں ضاد کے تلفظ کی ضرورت پڑی تو ان کو اس کا تلفظ دشوار معلوم ہوا اس لئے وہ اس کو ظاء پڑھتے ہیں اس لئے زبان کے کنارے اور اگلے دانتوں کے کنارے سے نکالتے ہیں اور کبھی اسکو مخرج ضاد سے نکالنے کا تکلف کرتے ہیں مگر ان کو بن نہیں پڑتا اس لئے ضاد اور ظاء کے درمیان نکلتے ہیں) شافیہ اور اس کی شرح سے بعض متأخرین نیز روافض وغیرہ مقلدین کی تردید ہو گئی جو کہ قائل ہیں کہ ضاد و ظاء میں اشتراک صفات ذاتیہ کی وجہ سے حرف ضاد مثل ظاء کے مسموع ہوتا ہے بلکہ ان میں فرق کرنا بہت دشوار ہے لہٰذا ضاد کی جگہ اگر ظاء پڑھی جائے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ اشتراک کو تشابہ لازم نہیں اس واسطے کہ جیم و دال بھی جمیع صفات میں مشترک ہیں مگر تخالف مخرج کی وجہ سے دونوں کی صوت میں بالکل تباین ہے اصلاً تشابہ نہیں اور ضاد و ظاء میں تخالف مخرج موجود ہے مگر چونکہ مخرج ضاد کا اکثر حافہ لسان مع کل اضراس اور مخرج ظاء کا طرف لسان مع طرف ثنایا علیا ہے اور پھر ان دونوں حرفوں میں استعلاء اطباق ہے اس وجہ سے ان میں تقارب ہو گیا پھر صفت رخاوت کی

وجہ سے ان میں تشابہ صوتی پیدا ہوگیا یہ وجہ ہے تشابہ کی بخلاف جیم و دال کے کہ ان میں یہ وجہ نہیں اب تشابہ ضاد و ظار میں ثابت ہوگیا مگر ایسا تشابہ کہ حرف ضاد قریب حرف ظار مسموع ہو اس طرح کا تشابہ ممنوع ہے اسی کو ابن حاجب اور رضی نے مستہجن لکھا ہے کیونکہ باعث تشابہ صفت رخوت ہے اور یہ صفت ضاد میں بہ نسبت ظار کے ضعیف ہوگئی ہے اس واسطے کہ ضاد میں صفت اطباق کی بہ نسبت ظار کے قوی ہے اور لامحالہ جتنی صفت اطباق قوی ہوگی اتنی ہی صفتِ رخاوت میں ضعف پیدا ہوگا کیونکہ الصاق محکم منافی رخاوت ہے دوسری وجہ ضعفِ رخاوت یہ ہے کہ ضاد کا مخرج مجری صوت ہوا سے ایک کنارے واقع ہوا ہے بخلاف مخرج ظار کے کہ وہ محاذات میں واقع ہے اسی وجہ سے ظار میں رخاوت قوی ہے اور جب رخاوت قوی ہوئی تو لامحالہ اطباق ضعیف ہوگا ماحصل یہ کہ جب ضاد کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات ادا کیا جائے گا تو اس وقت اس کی صوت اہلِ عرب کے ضاد کی صوت سے جو آج کل مروج ہے بہت مشابہ ہوئی اور ظار کے ساتھ بھی تشابہ ہوگا مگر کم درجہ میں اس واسطے کہ ضاد میں اطباق و تفخیم بہ نسبت ظار کے زیادہ ہے کیونکہ رخاوت ظار کی بہ نسبت ضاد کے قوی ہے اور رخاوت و اطباق میں تقابل ہے ایک قوی ہوگی تو دوسری ضعیف ہوئی اب اگر ضاد میں صفتِ رخاوت زیادہ ہو جائے گی تو اشبہ بظار ہو جائے گا اور اسی کو صاحب شافیہ اور رضی نے مستہجن لکھا ہے اور اگر اطباق قوی ادا کیا جائے گا مع رخاوت کے تو اشبہ بضاد مروج بین العرب ادا ہوگا اور کسی قدر ظار کے ساتھ بھی مشابہ ہوگا بعض کتب تفسیر و تجوید میں جو ضاد و ظار کو متشابہ الصوت لکھا ہے اس سے یہی مراد ہے نہ یہ کہ ظار مسموع ہو اب تعارض بھی نہیں رہا اب سوال یہ ہوتا ہے کہ بعض قراء عجم اہل عرب کو کہتے ہیں کہ ضاد کی جگہ دال معجم پڑھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دال معجم کوئی حرف ہی نہیں اس واسطے کہ دال کی صفت ذاتی استفال انفتاح اور مخرج طرف لسان اور جرٹ تنا یا علیا ہے۔ اور اہلِ عرب ضاد کو اپنے مخرج مع استعلاء اطباق سے عموماً ادا کرتے ہیں اور ایک حرف دوسرے مخرج مباین سے ادا ہی نہیں ہوتا اور جب صفات ذاتیہ بھی بدل گئیں تو دال اسے نہیں کہہ سکتے اصل میں وہ ضاد ہے مگر ضعف رخاوت جو قلت اور ضعف کے ساتھ اس میں پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو۔ غایت مافی الباب یہ لحن خفی ہوگا اور ظار خالص پڑھنا اور دال خالص یا دال کو اپنے مخرج سے پڑ کر کے پڑھنا یہ لحن جلی ہے کیونکہ پہلی صورت میں صرف ایک صفت۔ جو کہ نہایت کمزور درجہ میں تھی اس کا ابدال یا انعدام ہوا ہے۔ باقی صورتوں میں ابدال حرف بحرف آخر لازم آتا ہے واللہ اعلم بالصواب منہ ممے مؤلف کے زمانۂ قیام عرب

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

باب دوسرا

پہلی فصل تفخیم اور ترقیق کے بیان میں

حروف مستعلیہ ہمیشہ ہر حال[1] میں پُر پڑھے جائیں گے اور حروف مستفلہ سب باریک پڑھے جاتے ہیں مگر (الف[2]) اور (اللہ) کا لام[3] اور (ر) کہیں باریک کہیں پُر ہوتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص۲۸) کو تقریباً پچاس سال گذر چکے اس وقت اہلِ عرب کا تلفظ اعتدال کے درجہ میں تھا، لیکن آج کل اختلاطِ عجم سے بڑا انقلاب اور تغیر عام تلفظ میں ہو گیا ہے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] خواہ ساکن ہوں یا متحرک گو اختلاف حرکات سے یا بحالت سکون اختلاف حرکات ماقبل سے تفخیم میں کمی زیادتی ہو لیکن نفسِ تفخیم ہر حالت میں ہو گی ۱۲ [2] ترقیق اور تفخیم میں الف کا ماقبل کے تابع ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے اور یائے مدہ کا باریک ہونا بھی عام اس سے کہ اس کے ماقبل مفخم حرف ہو یا مرقق سب کے نزدیک مسلّم ہے رہا (واؤ) مدہ اس کی تفخیم کے متعلق جب کہ اس کے ماقبل مفخم حرف ہو اکثر کتبِ تجوید میں کوئی صراحت نہیں ملتی لیکن علامہ مرعشی نے اپنے رسالہ جہد المقل مطبوعہ علی گڑھ ص۷۵ میں (واؤ) مدہ کی تفخیم کے بارے میں اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے ولعل الحق ان الواو المدیۃ تفخم بعد الحرف المفخم لیکن ساتھ ہی اس کے اس کی شرح میں اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ کتب تجوید میں اس کا کوئی ذکر صراحۃً یا اشارۃً باوجود تلاش کے نہیں ملا چنانچہ لکھتے ہیں وقد رجوت ان یوجد التصریح بذلک او الاشارۃ الیہ فی کتب ھذا الفن لکن اعیانی الطلب فمن وجدہٗ فلیکتبہ ھنا چونکہ تفخیم (واؤ) مدہ بعد حرف مفخم جمہور کے مسلک کے خلاف تھی اس لئے مؤلف رسالہ ہٰذا نے بھی اس موقعہ پر اس کا ذکر قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم ورنہ ان تینوں حرفوں کے ساتھ (واؤ) مدہ کی تفخیم کا بھی ذکر فرماتے ۱۲

[3] لام اسم الجلالہ اور لام تعریف دونوں پُر پڑھے جائیں گے کیونکہ لام حروف شمسیہ میں سے ہے جن میں لام تعریف ادغام کیا جاتا ہے۔ لام تعریف کا باریک پڑھا جانا ادغام تام کے منافی ہے اور مثلین میں ادغام تام ہی ہوتا ہے ۱۲

الف کے پہلے پُر حرف ہو گا تو الف بھی پُر ہو گا اور اس کے پہلے کا حرف باریک ہو گا تو الف بھی باریک ہو گا اور (اللہ) کے لام کے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہو گا مثل (وَاللّٰہُ۔ اَللّٰہُ۔ رَفَعَہُ اللّٰہُ) اگر اس کے پہلے زیر ہو تو باریک ہو گا مثل لِلّٰہِ (ر) متحرک ہو گی یا ساکن۔ اگر متحرک ہو تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہو گی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہو گی مثل (رَعْدٌ۔ رُزِقُوْا۔ رِزْقًا) اور اگر (ر) ساکن ہے تو اس کے ماقبل متحرک ہو گا یا ساکن۔ اگر ماقبل متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہو گی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہو گی مثل (یُرْزَقُوْنَ۔ بَرْقٌ۔ شِرْعَۃٌ) مگر جب (ر) ساکن کے ماقبل کسرہ دوسرے کلمہ میں ہو مثل (رَبِّ ارْجِعُوْنِ) یا کسرہ عارضی مثل (اِرْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ) یا (ر) ساکن کے بعد حرف استعلاء کا اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں (ر) ہے تو یہ را باریک نہ ہو گی بلکہ پُر ہو گی مثل (قِرْطَاسٍ فِرْقَۃٌ) اور (فِرْقٍ) میں خُلف[1] ہے اور اگر (ر) موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام[2] کے ماقبل سوائے (ی) کے اور کوئی حرف ساکن ہو تو اس کا ماقبل دیکھا جائیگا اگر مفتوح یا مضموم ہے تو (ر) پُر ہو گی مثل (قَدَرٌ اُمُوْرٌ) اور اگر مکسور ہے تو (ر) باریک ہو گی مثل (حِجْرٌ) کے اگر ساکن (ی) ہو تو باریک ہو گی جیسے (خَیْرٍ صَیْرٍ خَبِیْرٍ قَدِیْرٍ) (ر) مُرامہ[3] یعنی موقوفہ بالروم اپنی حرکت کے موافق پڑھی جائے گی اور (ر) ممالہ[4] باریک ہی پڑھی جاوے گی مثل (مَجْرِیھَا) فائدہ راء مشدد حکم میں ایک راء کے ہوتی ہے جیسی حرکت ہو گی اُسی کے موافق پڑھی جاویگی پہلی دوسری کے تابع ہو گی۔

---

[1] اس لفظ میں را کا پُر پڑھنا تو قاعدے کے مطابق ظاہر ہے لیکن قاف کے مکسور ہونے کی وجہ سے بعض کے نزدیک باریک پڑھنا بھی صحیح ہے جیسا کہ جزری میں ہے والخلف فی فِرْق لکسر یوجد ترجمہ اور خلف پایا جاتا ہے فرق میں بسبب کسرہ کے ۱۲ [2] اشمام کے معنیٰ احکام وقف میں آئیں گے۔

[3] جس راء میں روم کیا جاوے روم کے معنیٰ حرکت کا نہایت خفی آواز سے ادا کرنا ۱۲

[4] یعنی جس راء میں امالہ کیا جاوے امالہ کے معنیٰ الف کا مائل کرنا یاء کی طرف جس کی وجہ سے فتحہ ماقبل الف کا کسرہ کی جانب میلان لازمی ہے یا صرف فتحہ کا کسرہ کی طرف مائل کرنا ۱۲

فائدہ حروف مفخمہ میں تفخیم ایسی افراط سے نہ کی جائے کہ وہ حرف مشدد سُنائی دے یا کسرہ مشابہ فتحہ کے یا فتحہ مشابہ ضمہ کے یا مفخم حرف کے بعد الف ہے تو وہ (واؤ) کی طرح ہو جاوے تفخیم میں مراتب ہیں حرف مفخم مفتوح جس کے بعد الف ہو تو اس کی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مثل (طَالَ) اس کے بعد مفتوح جو الف کے قبل نہ ہو مثل (انْطَلِقُوْا) اس کے بعد مضموم مثل (محیط) اس کے بعد مکسور مثل (ظِلّ قِرْطَاس) اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہے مثل (یَقْطَعُوْنَ، یُزَنَّقُوْنَ، مِرْصَادًا) اب معلوم ہوا کہ حرف مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اس کے مابعد کے الف کو مانند (واؤ) کے پڑھنا بالکل خلافِ اصل ہے ایسا ہی حرف مرقق کے فتحہ کو اس قدر مرقق کرنا کہ مانند امالۂ صغریٰ کے ہو جاوے یہ خلافِ قاعدہ ہے۔ یہ افراط و تفریط کلامِ عرب میں نہیں اہلِ عجم کا طریقہ ہے۔

دوسری فصل نون ساکن اور تنوین کے بیان میں

نون[1] ساکن اور تنوین[2] کے چار حال ہیں اظہار[3]، ادغام[4]، قلب[5]، اخفاء[6]۔ حرف حلقی نون ساکن اور تنوین کے بعد آئے تو اظہار ہوگا مثل (ینعق عذابٌ الیم) اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد (یرملون) کے حروف سے کوئی حرف آئے تو ادغام ہوگا مکرر (لام، را) میں

---

[1] جس نون پر کوئی حرکت نہ ہو اس کو نون ساکن کہتے ہیں مثلاً منکم اور ان کنتم ۱۲ [2] تنوین کی تعریف نہایت القول المفید ص۱۰۹ میں ہے واما التنوین فھو نون ساکنۃ زائدۃ تلحق اٰخر الاسم تثبت لفظاً ووصلاً وتسقط خطاً ووقفاً یعنی تنوین ایک نون ساکنہ زائدہ ہے جو اسم کے آخر میں آتا ہے اور بحالت وصل تلفظ میں ثابت رہتا ہے لیکن رسم خط میں ساقط ہوتا ہے اسی طرح بحالتِ وقف بھی تلفظ سے ساقط کر دیا جاتا ہے ۱۲ [3] تعریف اظہار حرف کو اس کے مخرج سے مع اس کی صفاتِ لازمہ کے ادا کرنا بغیر کسی تغیر و تبدل کے یعنی اس کے مخرج یا صفت میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے ۱۲ [4] تعریفِ ادغام کسی ساکن حرف کو کسی متحرک حرف میں اس طرح پر ملانا کہ وہ دونوں ایک حرف مشدد بن جائیں اور ایک ہی تلفظ سے دونوں حرف ادا ہو جائیں پہلے حرف کو مُدغم اور دوسرے کو مُدغم فیہ کہتے ہیں ادغام ہمیشہ ایسے دو حرفوں میں کیا جاتا ہے جو متحد المخرج یا قریب المخرج ہوتے ہیں جن کا تکرار تلفظ زبان عرب میں ثقیل سمجھا جاتا ہے۔

(بقیہ ص۳۲ پر)

ادغام بلاغنہ ہوگا اور ادغام بالغنہ بھی نون ساکن اور تنوین میں ثابت ہے مگر نون ساکن میں یہ شرط ہے کہ مقطوع یعنی مرسوم ہو اور اگر موصول ہے یعنی مرسوم نہیں ہے تو غنہ جائز نہیں

(بقیہ حاشیہ ص۳۱) ادغام سے یہ ثقالت جاتی رہتی ہے پس معلوم ہو گیا کہ ادغام کی حالت میں درصورت عدم اتحاد مخرج وصفت مدغم کے مخرج اور صفت دونوں میں بوقت ادغام تام یہ تصرف وتغیر کیا جاتا ہے کہ اس کو مدغم فیہ کے مخرج وصفت سے بدل دیتے ہیں اور بوقت ادغام ناقص و درصورت اختلاف مخرج مدغم کے مخرج میں تغیر کیا جاتا ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ ایسے دو حرفوں کا تلفظ جو آپس میں بعید المخرج ہوں کلام عرب میں ثقیل نہیں مانا گیا اسی وجہ سے اظہار کی حالت میں پہلے حرف کے مخرج اور صفت میں کسی قسم کے تصرف اور تغیر کی ضرورت نہیں پڑتی ۱۲ ۵ قلب اور اقلاب کے معنیٰ بدلنا ہے نون کو خاص میم ہی سے بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حرفوں میں بجز اختلاف مخرج اور تمام صفات میں اتحاد ہے، خصوصاً صفت غنہ میں کہ یہ صفت اور کسی حرف میں نہیں پائی جاتی ۱۲ ۶ اخفاء کے لغوی معنیٰ ستر کے ہیں اور اصطلاح قراء میں الاخفاء حالۃ بین الاظہار والادغام یعنی اظہار اور ادغام کے درمیانی حالت کو اخفاء کہتے ہیں ادغام کی تعریف کے ذیل میں یہ بات معلوم ہو چکی کہ مطلقاً ادغام کا سبب مخارج کا اتحاد یا قرب ہوتا ہے اسی سے اظہار بھی سمجھ میں آگیا ہوگا اظہار کا سبب بُعد مخرج ہے اب کچھ ایسے حرف بھی بچے جن کے مخارج کو نون کے مخرج سے نہ اتنا قرب ہے جو ادغام کو مقتضی ہو نہ اتنا بُعد ہے جو اظہار کو مقتضی ہو لہٰذا جب نون ساکن یا تنوین کا اتصال ایسے حروف سے ہو تو توسط قُرب وبُعد مخارج کا لحاظ کرتے ہوئے اخفاء جو اظہار اور ادغام کے درمیان حالت تھی اختیار کی گئی پس نون مخفی کے صحیح ادا کرنے کا طریقہ مضمون بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ نون مخفی کی ادائیگی میں کنارہ زبان کو اوپر کے تالو سے نہ ایسا اعتماد ہو جیسا کہ نون مظہرہ کی ادائیگی میں ہوتا ہے ورنہ اظہار کی تعریف صادق آئے گی اور نہ مثل نون مدغم کے مابعد والے حرف میں ملا کر ادا کیا جائے ورنہ ادغام کی صورت ہو جائے گی بلکہ کنارہ زبان کو تالو سے نہایت ضعیف اعتماد اور لگاؤ ہو جس کی تفصیل گذر چکی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ نون ساکن کے مقطوع یعنی مرسوم ہونے کی شرط اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ غنہ نون کی صفت ہونے کی حیثیت سے بمنزلہ عرض کے ہے اور عرض قائم بالغیر ہوتا ہے پس وجود صفت کیلئے وجود موصوف اور عرض کیلئے وجود جوہر ضروری ہے لہٰذا رسم خط میں نون کا موجود ہونا ادغام بالغنہ کے لئے ضروری ہوا صرف منوی ہونا کافی نہیں۔ امثلہ نون مقطوع علیٰ ان لا اقول ان لا تعبدوا الشیطٰن فان لو تفتلوا ۱۲

باقی حروف میں بالغنہ ہوگا مثل (من یقول مِنْ وَّال ھدیً للمتقین من (۲۰۴م) چار[۱] لفظ یعنی (دُنیا، قنوان، بنیان، صنوان) ان میں ادغام نہ ہوگا، اظہار ہوگا۔ اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد (ب) آوے تو نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء مع الغنہ کریں گے مثل (منْ بعد صمْ بکم) باقی پندرہ حرفوں میں اخفاء مع الغنہ ہوگا مثل (تنفقون انداداً) وغیرہ کے۔

تیسری فصل میم ساکن کے بیان میں

میم ساکن کے تین حال ہیں (ادغام[۱]، اخفاء[۲]، اظہار[۳]) میم ساکن کے بعد دوسری میم آئے تو ادغام ہوگا مثل (اَمْ مَّنْ) اور اگر میم ساکن کے بعد (ب) آوے تو اخفاء ہوگا اور اظہار بھی جائز ہے بشرطیکہ میم منقلب نون ساکن اور تنوین سے نہ ہو مثل (وَمَا ھُمْ بِمُؤْمنین) باقی حروف میں اظہار ہوگا مثل (علیھم ولا الضالین وکیدھم فی تضلیل)

(فائدہ) بُوُفْ[۴] کا قاعدہ جو مشہور ہے یعنی میم ساکن کے بعد (ب) آوے تو اخفاء ہوگا۔ اور (ف) آوے تو اظہار اس طرح کیا جاوے کہ میم کے سکون میں حرکت کی بُو آوے یہ اظہار بالکل بے اصل ہے بلکہ میم کا سکون بالکل تام ادا ہونا چاہیئے حرکت کی ہوا بھی نہ لگے۔

---

[۱] ادغام سے غرض رفعِ ثقالت اور تخفیف فی اللفظ ہوتی ہے لیکن اسی حد تک کہ ادغام سے اور کوئی خرابی یا کسی اور شے سے التباس وغیرہ نہ ہوتا ہو کلماتِ مذکورہ میں چونکہ نون ساکن اور حرف و اور یاء دونوں ایک کلمہ میں جمع ہیں اگر ادغام کیا جائے گا تو مضاعف سے التباس کا احتمال ہو سکتا ہے اس وجہ سے اظہار ہی ہوگا علامہ شاطبی نے اسی کو علت اظہار قرار دیا ہے کما قال ؎ وعندھما الکل اظھر بکلمۃ۔ مخالفۃ اشباہ المضاعف ثقلا ۲ یہ تینوں حرف بھی مثل میم کے شفویہ ہیں گو (ف) کلیۃً شفویہ نہیں لیکن فی الجملہ شفت سے تعلق رکھتا ہے تو گویا ان حرفوں کو میم سے ذاتاً قرب ہوا اور صفت غنہ کے اعتبار سے بُعد اور جب میم ساکن قبل باء کے واقع ہوتی ہے تو اخفاء کیا ہی جاتا ہے اسی پر قیاس کر کے بعض نے (و۔ ف) کے قبل بھی میم ساکن میں اخفاء کرنا شروع کر دیا جس پر علماءِ تجوید نے خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی اور ممانعت کی چنانچہ جزری وغیرہ میں واحذر لدی واو وفا ان تختفی بچ تو نزدیک

(باقی ص۳۴ پر)

چوتھی فصل حروفِ غنہ کے بیان میں

نون میم مشدد[۱] ہوں تو غنہ ہوگا ایسے ہی نون ساکن اور تنوین کے آگے سوائے حرف حلقی اور (لام، را) کے جو حرف آئے گا غنہ ہوگا ایسے ہی میم ساکن کے بعد (ب) آوے تو اخفاء کی حالت میں غنہ ہوگا۔ غنہ کی مقدار ایک الف ہے۔

پانچویں فصل ہائے ضمیر کے بیان میں

ہائے[۲] ضمیر کے ماقبل کسرہ یا (یائے) ساکنہ ہو تو ہائے ضمیر مکسور ہوگی مثل (بہٖ وَاِلَیْہِ) سے مگر دو جگہ مضموم ہوگی ایک (وما انسانیہٗ) سورہ کہف میں دوسرے (علیہُ[۳] اللہ) سورہ فتح میں اور دو لفظ میں ساکن ہوگی ایک تو (اَرْجِہْ[۴]) دوسرا (فالقہ) اور جب ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یائے ساکنہ تو مضموم ہوگی مثل (لہٗ رَسُولُہٗ منہ اخاہ

(البقیہ حاشیہ ص۳۳) واؤ وفا کے اخفا کرنے سے۔ اس ممانعت کے بعد بعض لوگوں نے اجتناب عن الاخفاء کے خیال سے میم ساکن میں قلقلہ کر کے کچھ حرکت دیکر پڑھنا اختیار کیا۔ اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)[۱] نون اور میم کا مشدد ہونا کبھی تو ادغام کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ ادغام کو تشدید لازم ہے مثلاً (من نشاء۔ ام من یکون) اور کبھی ان دونوں کا مشدد ہونا وضعاً ہوتا ہے کیونکہ ہر تشدید کو ادغام لازم نہیں جیسے انّ لکنّ جنّت جھنّم وغیرہ چونکہ ادغام کے بیان میں اس دوسری صورت کے غنہ کا ذکر صراحۃً نہیں کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے یہاں اس کو شامل کرنا مقصود تھا ۱۲ [۲] عبارت میں جب کسی اسم ظاہر کو بیان کرنے کے بعد اگر پھر اس کا اعادۂ ذکر مقصود ہوتا ہے تو طوالت سے بچنے اور اختصار فی الکلام کی غرض سے بجائے اسم ظاہر کے ایک کو لاتے ہیں جن کو ہائے ضمیر اور ہائے کنایہ کہتے ہیں مثلاً ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ اور مراد اس سے خاص ضمیر مفرد مذکر غائب ہے ۱۲ [۳] ان دونوں جگہ قاعدہ کے مطابق ہائے ضمیر مکسور ہونا چاہیئے تھی لیکن چونکہ ہائے ضمیر میں ضمہ اصل ہے اس لئے یہاں اتباعاً للاصل ضمہ ہی رہا جیسا کہ علامہ جعبریؒ نے ذکر کیا ہے ۱۲ [۴] اصل اس کلمہ کی مہموز و معتل دونوں لغتیں ہیں

(باقی ص۳۵ پر)

(أیتموہ) مگر (وَیتقہٖ[1] فاولئک) میں مکسور ہوگی اور جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد متحرک ہو تو ضمیر کی حرکت اشباع کے ساتھ پڑھی جاوے گی یعنی اگر ضمیر پر ضمہ ہو تو اس کے مابعد واؤ ساکن زائد ہوگا اگر ضمیر پر کسرہ ہے تو اس کے مابعد یاء ساکنہ زائد ہوگی مثل (من ربہ والمؤمنون ورسولہ احق) مگر ایک جگہ اشباع نہ ہوگا یعنی (وان تشکروا یرضہ[2] لکم) اس کا ضمہ غیر موصولہ پڑھا جائے گا اور اگر ماقبل یا مابعد ساکن ہو تو اشباع نہ ہوگا۔ مثل (منہ ویعلمہ الکتب) مگر (فیہٖ مہانا[3]) جو سورۂ فرقان میں ہے اس میں اشباع[4] ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صـ۳۴) حفصؒ کی روایت میں معتل ہے جس کی وجہ سے یائے ساکنہ حذف ہو کر ہائے ضمیر کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا اور کلمہ فالقہ میں بھی اسی بناء پر ہائے ضمیر ساکن ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [1] حفصؒ کی روایت میں اگرچہ بسکون قاف ہے مگر چونکہ اصل میں قاف مکسور ہے اس وجہ سے مطابق قاعدہ کلیہ کے ہائے ضمیر مکسور ہی ہے ۱۲

[2] اس کی اصل یرضاہ ہے بنا بر شرط الف گر گیا اس وجہ سے اصل کا لحاظ کرتے ہوئے صلہ نہیں کیا گیا ۱۲ [3] اس جگہ جمعاً بین اللغتین صلہ کیا گیا ۱۲

[4] ہائے ضمیر پر وقف بالاسکان تو مطلقاً جمیع قراء کے نزدیک ثابت اور جائز ہے لیکن وقف بالروم اور وقف بالاشمام مختلف فیہ ہے یعنی بعض کے نزدیک تو روم اور اشمام ہر حالت میں جائز ہے اور بعض کے نزدیک جس وقت ہائے ضمیر کے ماقبل واؤ مدہ اور یائے مدہ نہ ہوں یا ضمہ اور کسرہ نہ ہو تو اس وقت وقف بالروم اور وقف بالاشمام جائز ہے مثل لن تخلفہ اجتباہ وھدا ۱۲۔ باقی صورتوں میں روم اور اشمام جائز نہیں جیسے ما عقلوہ بہ فیہ یرفعہ۔ اور یہی مذہب معتدل اور پسندیدہ ہے جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے بیان کیا ہے

وفی الھاء للاضمار قوم ابوھما ۔۔۔ ومن قبلہ ضم او الکسر مثلا

او امّاھما واوٌ وياءٌ وبعضھم ۔۔۔ یریٰ لھما فی کل حال محللا

یعنی ہائے ضمیر میں روم و اشمام کا ایک جماعت نے انکار کیا ہے جبکہ ماقبل ہائے ضمیر ضمہ یا کسرہ یا ان دونوں کی اصل یعنی واؤ اور یائے مدہ ہوں اور بعض نے مطلقاً ہر حال میں روم اور اشمام کو جائز رکھا ہے ۱۲

چھٹی فصل ادغام کے بیان میں

ادغام تین قسم پر ہے مثلین[1] ۔ متقاربین[2] ۔ متجانسین[3] ۔ اگر حرف مکرر میں ادغام ہوا ہے تو ادغام مثلین کہا جائے گا مثل (اِذْ ذَّهَبَ) اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جن کا مخرج ایک گنا جاتا ہے تو اس ادغام کو ادغام متجانسین کہتے ہیں مثل (وقالت طَّائِفَةٌ) اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ وہ دو حرف نہ مثلین ہیں نہ متجانسین تو ادغام متقاربین کہلائے گا مثل (اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ) پھر ادغام متجانسین اور متقاربین دو قسم پر ہے۔ ناقص اور تام اگر پہلے حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر ادغام کیا ہے تو ادغام تام کہلائے گا مثل (قُلْ رَّبِّ) اور (وقالت طَّائِفَةٌ عمّ) اور اگر پہلے حرف کی کوئی صفت باقی رہے تو ادغام ناقص ہوگا مثل (من یقول من وّال) اور (بَسطتّ احطتّ) کے مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف جب ساکن ہو تو ادغام واجب ہے مثل (اَنِ اضرب بعصاك الحجر وقالت طائفة عبدتم اذ ظّلموا اذ ذّهب قد تّبيّن قد دّخلوا قُلْ رَّبِّ بَلْ رَّفعه) اور (یلهث ذٰلك یا بُنَیَّ ارکّب معنا) میں اظہار بھی ثابت ہے اور جب دو (واؤ) یا دو (یاء) جمع ہوں اور پہلا حرف مدّہ ہو مثل (قالوا وهم فی یومٍ[4]) تو ادغام نہ ہوگا۔ ایسے ہی حرف حلقی کسی حرف غیر حلقی میں مثل (لا تزغ قلوبنا[5]) اور اپنے مجانس میں مثل (فاصفح عنهم[6]) مدغم نہ ہوگا۔ اور

---

[1] ایسے مواضع میں ادغام کرنے کی وجہ سے واؤ اور یاء کی مدیت جو صفت ذاتی ہے جاتی رہے گی ۱۲ [2] حروف حلقی کا ادغام غیر حروف حلقی میں نہ ہونا تو اس لئے ظاہر ہے کہ ادغام کے لئے اتحاد مخرج یا قرب مخرج ضروری ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے (ع) حلقی ہے اور (ق) لسانی ہے باعتبار اصول مخارج ہر ایک کی اصل علیحدہ ہے ۱۲ [3] تتبع کرنے سے معلوم ہوا کہ حروف حلقیہ کا ادغام آپس میں اہل زبان کے نزدیک نہایت قلیل ہے صرف (ہ) کا ادغام مماثلث کی صورت میں ہوتا ہے یا صرف ایک جزیہ میں (ح) کا ادغام (ع) میں ابوعمر بصری کے یہاں ہوتا ہے یعنی فمن زحزح عن النار میں اور (ع) کا ادغام (ع) میں بالخلف موضع ومن یبتغ غیر الاسلام میں کیا جاتا ہے اور وجہ عدم ادغام کی یہ ہے کہ ادغام سے مقصود خفت فی التلفظ ہے اور حروف حلقیہ میں ادغام سے اہل زبان کے نزدیک بجائے خفت کے ثقالت آجاتی ہے ۱۲

اپنے مماثل میں مدغم ہوگا مثل (یُوَجِّهُّ. مَالِیَهْ هَلَكَ[1]) ایسے ہی لام کا ادغام (ن) میں نہ ہوگا مثل (قلنا[2]) فائدہ لام تعریف اگر ان چودہ حروف کے قبل آوے تو اظہار ہوگا۔ اور چودہ حروف یہ ہیں (ابغ حجك وخف عقیمه) اور ان حروف کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں[3] جیسے (الآن البخل الغرور الحسنة بالجنود الكوثر الواقعة الخائبين الفائزون العلى القانتين اليوم المحسنات) باقی چودہ حرفوں میں ادغام کیا جائے گا جن کو حروفِ شمسیہ کہتے ہیں جیسے (والصافات والذاریات الثاقب الداعی التائبون الزانی السالکین الرحمٰن الشمس ولا الضالین الطارق الظالمین الله النجم) فائدہ[4] نون ساکن اور تنوین کا ادغام (ی) اور (و[5]) میں اور (ط) کا ادغام (ت) میں ناقص ہوگا اور (الَمْ نَخْلُقْكُّمْ

---

[1] اس میں اظہار بھی ثابت ہے بلکہ ارجح اظہار ہی ہے کیونکہ یہ ہائے سکتہ ہے لیکن اظہار بدون سکتہ لطیفہ کے ناممکن ہے پس اظہار کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ وصل کی حالت میں ہائے سکتہ پر سکتہ لطیفہ کیا جائے۔ اگر سکتہ نہ کیا جائے تو لامحالہ ادغام ہی ہوگا یا ہائے سکتہ متحرک ہو جائے گی جیسا کہ نہایت القول المفید اور اتحاف سے معلوم ہوتا ہے الشرط الاوّل ان لا یکون اول المثلین هاء سكتة وهی فی قوله تعالیٰ مالیه هلك بسورة الحاقة فان فیها لكل القراء ممن اثبت الهاء وجهین الاظهار والادغام الاول ارجح وكیفیته ان تقف علی الهاء من مالیه وقفة لطیفة حال الوصل من غیر قطع نفس لانها هاء سكت لاحظ لها فی الادغام ۱۲ ۲ یہاں ایک تعلیل بصورت حذف عین کلمہ ہو چکی ہے اور ادغام سے لام کلمہ میں بھی تغیر کرنا پڑے گا تو گویا کلمہ واحدہ پر توالی علالات لازم آئے گا یہی وجہ قل نعم میں بھی ہو سکتی ہے اور فالتقمه الحوت میں اظہار کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل ہے اور ادغام کرنے سے لام تعریف کے ساتھ التباس ہوگا جس کی مصاحبت اسماء کے ساتھ مخصوص ہے ۱۲ شرح جزری ملا علی مطبوعہ مصر ص ۳۱ ۳ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ چاند کی روشنی ستاروں کی روشنی کو اپنے اندر جذب نہیں کرتی بخلاف آفتاب کے کہ اس کی روشنی ستاروں کی چمک اور روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے ۴ بالاتفاق سب کے نزدیک ان دو حرفوں میں ادغام ناقص ہے اور نون ساکن وتنوین کا ادغام (میم) میں مختلف فیہ ہے بعض ناقص کہتے ہیں اور بعض تام لیکن نون کا ادغام نون میں اکثر کے نزدیک تام ہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مثلین میں ادغام تام ہی ہو سکتا ہے مگر بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ ناقص ہے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے کیونکہ نقص ادغام مقتضی ہے اختلاف صفات کو اور مثلین میں اختلاف صفات نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

میں ادغام ناقص بھی جائز ہے مگر ادغام تام اَوْلیٰ ہے اور نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ میں اظہار رہے گا اور ادغام بھی ثابت ہے۔ فائدہ (عِوَجًا قَيِّمًا) سورہ کہف میں اور (مَنْ رَاقٍ) سورۂ قیامہ میں اور (بَلْ رَانَ) سورۂ مطففین میں اظہار ہوگا سکتہ کی وجہ سے اور ایک جگہ حفصؒ کی روایت میں اور بھی سکتہ ہے یعنی (مِنْ مَرْقَدِنَا) سورۂ یٰسین میں اور چونکہ سکتہ ایک لحاظ سے حکم وقف کا رکھتا ہے اس وجہ سے (عِوَجًا) کی تنوین کو الف سے بدل دیا جائے گا اور حفصؒ کی روایت میں ترکِ سکتہ بھی ان مواضع میں ثابت ہے تو اس وقت موضع اول میں اخفاء ہوگا اور ثانیتین میں ادغام ہوگا۔

لہ بطریق طیبہ ۱۲ سکتہ کے معنی امتناع اور باز رہنے کے ہیں یقال سکت الرجل عن الکلام ای امتنع منہ۔ ترجمہ کہا جاتا ہے سکوت کیا رجل نے کلام سے یعنی باز رہا کلام سے۔ اور اصطلاح قراء میں تلاوت کو جاری رکھتے ہوئے کسی کلمہ پر بغیر سانس توڑے تھوڑی دیر کے لئے آواز کو روک دینا اور پھر فوراً اسی سانس سے آگے پڑھنا قطع الکلمۃ من غیر تنفس بنیۃ القراءۃ سکتہ کی دو قسمیں ہیں سکتہ لفظی و سکتہ معنوی جن مواضع میں از روئے انفصال معنوی بین الکلمتین سکتہ کیا جائے اس کو سکتہ معنوی کہتے ہیں جیسا کہ ان چاروں جگہ حفصؒ کے لئے سکتہ کیا جاتا ہے اور کبھی تقویۃ الہمز یعنی ہمزہ کو صاف اور محقق ادا کرنے کی غرض سے سکتہ کیا جاتا ہے اس کو سکتہ لفظی کہتے ہیں جیسا کہ امام حمزہ کی قراءت اور حفص کے بعض طریق میں ہے ۱۲

سے چونکہ اس جگہ وقف لازم ہے اور سورۂ کہف میں عِوَجًا پر بھی آیت ہے اس لئے ان دونوں جگہ وقف کرنا بمقابلہ سکتہ کے زیادہ بہتر اور اَولیٰ ہے ۱۲ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عِوَجًا قَيِّمًا اور مثل مریضا او وغیرہ کے جب کہ دونوں منصوب منون ہیں اور سکتہ حکم میں وقف کے ہے تو دونوں کی کیفیت سکتہ میں یہ فرق کیوں ہے کہ عِوَجًا کی تنوین سکتہ کی حالت میں الف سے بدل جاتی ہے اور مثل مریضًا او کی تنوین سکتہ کے وقت الف سے نہیں بدلی جاتی۔ جواب یہ ہے کہ مثل (مریضًا او) میں اگر تنوین کو الف سے بدلیں گے تو پھر ایک اور نیا ثقل پیدا ہو جائے گا یعنی حرف مد کے بعد ہمزہ کا آنا جو ثقیل ہے اسی ثقالت کو رفع کرنے کی غرض سے مد متصل و منفصل میں زیادتی علی القصر کی جاتی ہے کہ حرف مد ضعیف اور ہمزہ قوی ہے اور جو الف کہ تنوین سے بدلا ہوا ہو اس میں توسط اور طول مروی نہیں جیسا کہ ورش کی روایت میں مد بالہمزہ السابق کے قبیل سے مثل ماءً نداءُ میں توسط اور طول نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ منفصل میں قصر بھی جائز ہے صرف قصر ہی رہتا تو کیا خرابی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ الف میں لینیت کی وجہ سے تقویۃ ہمزہ کا وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا جو تنوین پر سکتہ کرنے سے مقصود ہے ۱۲ ۵ بطریق طیبہ ۱۲

فائدہ:۔ مشدد حرفوں میں دیر دو حرف کی ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ جب دو حرف مثلین غیر مدغم ہوں تو ہر ایک کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیئے مثل اَعْبُدُنَا شَرِّكُمْ يُحْيِي دَاوٗدُ ایسا ہی متقاربین متصل ہوں یا قریب قریب ہوں اور ادغام نہ کیا جائے تو بھی خوب ہر ایک کو صاف پڑھنا چاہیئے مثل (قَدْ جَاءَ قَدْ ضَلُّوْا اِذْ تَقُوْلُ اِذْ زَيَّنَ) ایسا ہی جب دو حرف ضعیف جمع ہوں مثل (رجباھھو) یا قوی حرف کے قریب ضعیف حرف ہو مثل (اھدنا) یا دو حرف مفخم متصل یا قریب ہوں مثل (مضطر صلصال) یا دو حرف مشدد قریب یا متصل ہوں مثل (ذریتہ مطہرین من منی یمنی نبی یغشہ وعلی امم ممن معك) ایسا ہی دو حرف متشابہ الصوت جمع ہوں مثل (صاد سین) (طا ت) (ض ظ) (ظ ذ) (ق ك) تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیئے اور جو صفت جس کی ہے اسے پورے طور سے ادا کرنا چاہیئے۔

ساتویں فصل ہمزہ کے بیان میں

جب دو ہمزہ متحرک جمع ہوں اور دونوں قطعی[1] ہوں تو تحقیق سے یعنی خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیئے مگر (ءَاَعْجَمِيٌّ) جو سورۂ (حٰمٓ سجدہ) میں ہے اس کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ہوگی۔ اور اگر پہلا ہمزہ استفہام کا ہے اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح ہے تو جائز ہے دوسرے ہمزہ میں تسہیل[2] اور ابدال مگر ابدال اَوْلیٰ ہے اور یہ چھ جگہ ہے (آلْئٰنَ) سورۂ یونس میں دو جگہ (ءَآلذَّكَرَيْنِ) سورۂ انعام میں دو جگہ ہے (آللّٰهُ) دو جگہ ہے ایک سورۂ یونس میں دوسرا سورۂ نمل میں ہے اور جب پہلا ہمزہ استفہام کا ہو اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح نہ ہو تو یہ دوسرا ہمزہ حذف کیا جائے گا مثل (اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ اصْطَفَى

---

[1] مثلاً ءانذرتھم ءاسجد ءانتم کہ ان امثلہ میں کوئی ہمزۂ وصل نہیں ہے ۱۲ [2] ہمزہ کو خالص اقصاء حلق سے مع صفت شدت کے اگر ادا کیا جائے اس کو تحقیق کہتے ہیں اور اگر ہمزہ کو الف یا بقیہ حروف مد سے بالکل بدل دیا جائے تو اس کو ابدال کہتے ہیں اور اگر ان دونوں کے درمیان پڑھا جاوے تو اس کو تسہیل کہتے ہیں جیسا کہ شاطبی میں ہے۔ والابدال محض والمسھل بین ماھو الھمز والحرف الذی منہ اشکلہ ۱۲

الْبَنَاتِ اَسْتَكْبَرْتَ) اور فتحہ کی حالت میں جو حذف نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں التباس انشاء کا خبر کے ساتھ ہو جائے گا اور چونکہ ہمزہ وصل وسط کلام میں حذف ہوتا ہے اس وجہ سے اُس میں تغیر کیا جاتا ہے اسی وجہ سے ابدال اولیٰ ہے کیونکہ اس میں تغیر تام ہے۔ بخلاف تسہیل کے اور جب دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا متحرک دوسرا ساکن ہو تو واجب ہے ہمزہ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدلنا مثل (اٰمَنُوْا۔ اِیْمَانًا اُؤْتُمِنَ اِئْتِ) اور جب پہلا ہمزہ وصلی ہو تو ابتدا کی حالت میں ہمزہ ساکنہ بدلا جائے گا اور جب ہمزۂ وصلی گر جائے گا تب ابدال نہ ہوگا مثل (اَلَّذِی اؤْتُمِنَ فِی السَّمٰوٰتِ ائْتُوْنِی فِرْعَوْنُ ایْتُوْنِی) ہمزۂ وصلی کے ماقبل جب کوئی کلمہ بڑھایا جائے گا تو یہ ہمزہ حذف کیا جائے گا اور ثابت رکھنا درست نہیں۔ البتہ ابتداء میں ثابت رہتا ہے اب اگر لام تعریف کا ہمزہ ہے تو مفتوح ہوگا اور اگر کسی اسم کا ہمزہ ہے تو مکسور ہوگا۔ اور اگر فعل کا ہے تو تیسرے حرف کا ضمہ اگر اصلی ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا ورنہ مکسور مثل (اَلَّذِیْنَ اِسْمُ اِبْنُ اِنْتِقَامٌ اُجْتُثَّتْ، اِضْرِبِ اِنْفَجَرَتْ اِفْتَحْ) اور (اِمْشُوْا اِتَّقُوْا اِئْتُوْ) میں چونکہ ضمہ عارضی ہے اس وجہ سے ہمزہ مضموم نہ ہوگا بلکہ مکسور ہوگا۔ (فائدہ) ہمزہ عین کے ساتھ یا (ح) کے ساتھ یا حرف مدہ (ع) یا (ح) کے ساتھ جمع ہوں ایسا ہی (ع ح) ایک ساتھ آوے یا (ع ح) اور (ہ) ایک ساتھ آوے یا (ع ح ہ) مکرر آئیں یا مشدد ہوں تو ہر ایک کو خوب صاف طور سے ادا کرنا چاہیئے مثل (اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ فَاعِلِیْنَ یُدَعُّوْنَ دَعًّا سَبِحُہٗ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ اَحْسَنَ الْقَصَصِ عَلٰی عَقِبَیْہِ اَعُوْذُ عَہِدَ عَاہَدَ عَامِلِیْنَ طُبِعَ عَلٰی سَاحِرٌ سَحَّارٌ لَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ مَبْعُوْثُوْنَ یَانُوْحُ اہْبِطْ وَمَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ جِبَاہُھُمْ) (فائدہ) ہمزہ متحرک یا ساکن جہاں ہو اس کو خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمزہ الف سے بدل جاتا ہے یا حذف ہو جاتا ہے یا صاف طور سے نہیں نکلتا خصوصاً جہاں دو ہمزہ ہوں وہاں زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کہ دونوں ہمزہ خوب صاف ادا ہوں مثل (اَءَنْذَرْتَھُمْ) فائدہ۔ حرف ساکن کے بعد جب ہمزہ آئے تو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ساکن

کا سکون تام ادا ہو اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو ایسا نہ ہو کہ ہمزہ حذف ہو جائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہو جائے جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے بلکہ وہ ساکن کبھی مشدّد بھی ہو جاتا ہے مثل (قَدْ اَفْلَحَ ، اَلْاِنْسَانُ) اسی وجہ سے حفص کے بعض طُرُق میں ساکن پر سکتہ[1] کیا جاتا ہے تاکہ ہمزہ صاف ادا ہو خواہ وہ ساکن اور ہمزہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمہ میں ہو۔

آٹھویں فصل حرکات کی ادا کے بیان میں

فتحہ ساتھ انفتاحِ فم اور صوت کے اور کسرہ ساتھ انخفاضِ فم اور صوت کے اور ضمہ ساتھ انضمامِ شفتین کے ظاہر ہوتا ہے ورنہ اگر فتحہ میں کچھ انخفاض ہوا تو فتحہ مشابہ کسرہ کے ہو جائے گا۔ اور اگر کچھ انضمام ہو گیا تو فتحہ مشابہ ضمہ کے ہو جائے گا ایسا ہی کسرہ میں اگر کامل انخفاض نہ ہو گا تو مشابہ فتحہ کے ہو جائے گا بشرطیکہ انفتاح ہو گیا ہو اور اگر کچھ انضمام ہو گیا تو کسرہ مشابہ ضمہ کے ہو جائے گا۔ اور ضمہ میں اگر انضمام کامل نہ ہوا تو ضمہ مشابہ کسرہ کے ہو جائے گا بشرطیکہ کسی قدر انخفاض ہو گیا ہو اور اگر کسی قدر انفتاح پایا گیا تو فتحہ کے مشابہ ہو جائے گا (فائدہ) فتحہ جس کے بعد الف نہ ہو اور ضمہ جس کے بعد واؤ ساکن اور کسرہ جس کے بعد یا ساکن نہ ہو ان حرکات کو اشباع[2] سے بچانا چاہیئے ورنہ یہی حروف پیدا ہو جائیں گے ایسا ہی ضمہ کے بعد جب واؤ مشدّد ہو اور کسرہ کے بعد یا مشدّد ہو مثل (عَدُوٌّ سَوِیٌّ لُجِّیٌّ) اس وقت بھی اشباع سے احتراز نہایت ضروری ہے خصوصاً وقف میں زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ ورنہ مشدّد مخفّف ہو جائے گا (فائدہ) جب فتحہ کے بعد الف اور ضمہ کے بعد واؤ ساکن غیر مشدّد اور کسرہ کے بعد یا ساکن غیر مشدّد ہو تو اس وقت ان حرکات کو اشباع سے ضرور پڑھنا چاہیئے ورنہ یہ حرف ادا نہ ہوں گے خصوصاً جب کئی حرف مدہ قریب قریب جمع ہوں تو زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اکثر خیال

---

[1] بطریق طیبہ ۱۲ [2] یعنی دراز کرنا اور کھینچنا ۱۲

نہ کرنے سے کہیں اشباع ہوتا ہے اور کہیں نہیں (فائدہ) (مَجْرٖىهَا) جو سورۂ ہود میں ہے اصل میں لفظ (مَجْرٖيهَا) ہے یعنی (ر) مفتوح ہے اور اس کے بعد الف ہے اس جگہ چونکہ امالہ ہے اس وجہ سے فتحہ خالص اور الف خالص نہ پڑھا جائے گا۔ اور کسرہ اور یاء خالص پڑھی جائے گی بلکہ فتحہ کسرہ کی طرف اور الف یاء کی طرف مائل کرکے پڑھا جائے گا جس سے فتحہ کسرہ مجہول کے مانند ہو جائے گا اور اس کے بعد یاء مجہول ہوگی اور اس کے سوا اور کہیں امالہ نہیں[1] ہے (فائدہ) کسرہ اور ضمہ کلام عرب میں مجہول نہیں بلکہ معروف ہیں اور ادا کی صورت یہ ہے کہ کسرہ میں انخفاض کامل کے ساتھ آواز کسرہ کی باریک نکلے اور ضمہ میں انضمام شفتین کے ساتھ ضمہ کی آواز باریک نکلے (فائدہ) حرکات کو خوب ظاہر کرکے پڑھنا چاہیے یہ نہ ہو کہ مشابہ سکون کے ہو جائے ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے تاکہ مشابہ حرکت کے نہ ہو جائے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صوت مخرج میں بند ہو جائے اور اس کے بعد ہی دوسرا حرف نکلے۔ اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش ہوگئی تو لامحالہ یہ سکون حرکت کے مشابہ ہو جائے گا البتہ حروف قلقلہ اور (کاف اور تاء) کے مخرج میں جنبش ہوتی ہے فرق اتنا ہے کہ حروف قلقلہ میں جنبش سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کاف و تاء میں نہایت نرمی کے ساتھ جنبش ہوتی ہے۔ (فائدہ) کاف تاء میں جو جنبش ہوتی ہے اس میں (ہ) کی یا (س) یا (ث) کی بو نہ آنی چاہیے۔

تیسرا باب

پہلی فصل اجتماعِ ساکنین کے بیان میں

اجتماعِ ساکنین (یعنی دو ساکن کا اکٹھا ہونا) ایک علیٰ حدہ ہے دوسرا علیٰ غیر حدہ۔

---

[1] یعنی روایتِ حفص میں علاوہ اس لفظ کے اور کہیں امالہ نہیں ۱۲

علیٰ حدہ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا ساکن حرف مدّہ ہو اور دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں مثل (دَآبَّةٌ اَلْاٰنَ) اور یہ اجتماعِ ساکنین جائز ہے اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ جائز نہیں البتہ وقف میں جائز ہے اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا حرف ساکن مدہ نہ ہو یا دونوں ساکن ایک کلمہ میں نہ ہوں اب اگر پہلا ساکن حرف مدہ ہے تو اس کو حذف کردیں گے مثل (وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ عَلٰى اَنْ لَّا تَعُدُوْا اعدوا وقالُوا الْاٰنَ فِى الْاَرْضِ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَالَا الْحَمْدُ فَلَمَّا اَقَا الشَّجَرَةَ)

لہ بعض لوگ اجتماعِ ساکنین میں جب پہلا ساکن الف تثنیہ ہوتا ہے تو بوجہ التباس بصیغہ واحد الف تثنیہ کو کچھ کھینچ کر پڑھتے ہیں یہ طریقہ اور عمل قواعد تجوید و اصولِ عربی کے خلاف اور غلط ہے کتاب النشر مطبوعہ دمشق ج ۲ ص ۱۳۸ باب الوقف علی المرسوم الخط ومن المتفق علیہ ماحذف من الیاءات والواوات والالفات لالتقاء الساکنین وھو ثابت رسمًا نحو یؤتی الحکمۃ (الی ان قال بعد ستۃ سطور قریبًا) ونحو وقالا الحمد واستبقا الباب وادخلا النار فالوقف علی جمیع ذٰلک وما اشبہ بالاثبات لثبوتہا رسمًا وحکمًا وھذا ایضًا مما لم یختلف فیہ انتھی۔ ترجمہ التقائے ساکنین کی وجہ سے الف اور یاء اور واؤ کا حذف کیا جانا جمیع قراء کے متفق علیہ مسائل میں سے ہے اور وہ حروف ثلثہ رسم خط میں ثابت ہوں گے جیسے یؤتی الحکمۃ اور اس عبارت کی چھ سطروں کے بعد یہ امثلہ بھی ہیں وقالا الحمد۔ واستبقا الباب۔ وادخلا النار۔ پس وقف ان جمیع مواضع اور ان کے مشابہ الفاظ میں ساتھ اثبات حروف مد کے وقف کیا جائے گا بوجہ ثابت ہونے ان کے رسمًا وحکمًا اور ان الفات کا وقف میں ثابت رکھنا بھی مختلف فیہ مسائل میں سے نہیں ہے اور سراج القاری شرح شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ باب مذکور میں ہے۔ واما الالف فان کل الف سقطت من اللفظ لساکن لقیھا فانک اذا وقفت علیھا وفصلتھا من الساکن اثبتھا فی الوقف لجمیع القراء وذٰلک نحو فان کانت اثنتین ودعوا اللہ ربھما۔ وقالا الحمد وقیل ادخلا النار واستبقا الباب وشبھہ انتھی۔ ترجمہ اور لیکن الف پس ہر وہ الف جو لفظ سے یعنی پڑھنے میں ساقط ہوا ہو بسبب ایسے ساکن کے جو اس کے بعد ہی واقع ہوا ہے پس بیشک اگر وقف کرے تو اُس پر اور اس کو اُس ساکن سے جُدا کردے تو جمیع قراء کے لئے وقف میں اس الف کو ثابت کرے گا مانند امثلہ مذکورہ کے

(باقی ص ۴۴ پر)

اگر پہلا ساکن حرف مدہ نہ ہو تو اس کو حرکت کسرہ کی دی جائے گی مثل (اِنِ ارْتَبْتُمْ وَاَنْذِرِ النَّاسَ مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ) مگر جب پہلا ساکن میم جمع ہو تو ضمہ دیا جائے گا مثل (عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ عَلَیْہِمُ الْقِتَالُ) اور مِنْ جو حرف جر ہے اس کے بعد جب کوئی حرف ساکن آئے گا تو نون مفتوح پڑھا جائے گا جیسے (مِنَ اللّٰہِ) ایسا ہی میم (اٰلٓمّٓ اَللّٰہُ) کی وصل میں مفتوح پڑھی جائے گی (فائدہ) بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ جو سورہ حجرات میں ہے اسمیں (بِئْسَ) کے بعد لام مکسور اس کے بعد سین ساکن ہے اور لام کے قبل اور بعد جو ہمزہ ہے وہ ہمزۂ وصلی ہے اس وجہ سے حذف کئے جائیں گے اور لام کا کسرہ بسبب اجتماع ساکنین کے ہے (فائدہ) کلمہ ممنونہ یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دو زیر یا دو زبر

(بقیہ حاشیہ ص۴۳) انتہیٰ۔ ان ہر دو کتابوں میں جو تجوید و قراءۃ کی معتبر اور مستند اور معتمد کتابوں میں سے ہیں ان کی عبارات مذکورہ سے بہ تصریح یہ ثابت اور معلوم ہو گیا کہ الفاظ مذکورہ بالا میں الف تثنیہ کا مطلق نہ پڑھا جائیگا بلکہ حرف وقف میں پڑھا جائے گا پس الفاظ مذکورۂ بالا میں بحالتِ وقف الف پڑھنا چاہیئے اور وصل میں نہ پڑھنا چاہیئے یہی عمل تمام قرارِ عرب کا ہے اس کے خلاف ممنوع اور غیر صحیح ہوگا۔ کیونکہ قواعد و اصولِ عربیہ کے لحاظ سے ایسے اجتماعِ ساکنین میں بحالتِ وصل پہلا ساکن اگر حرف مد ہو تو گرا دیا جاتا ہے اور تلفظ میں ثابت اور باقی رکھنا جائز نہیں۔ من تحتها الانهار۔ فی الارض۔ قل ادعوا اللّٰہ بحالتِ وصل حرف مدکو بالاتفاق سب گرا کر پڑھتے ہیں اسی قاعدے کے مطابق ان کلمات مذکورہ بالا میں بھی الف تثنیہ گرا دیا جائے گا۔ کسی قرارتِ متواترہ میں باقی رکھنا ثابت نہیں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حذف الف کی صورت میں تثنیہ کا التباس واحد کے صیغہ سے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیاق و سباق سے اہلِ علم حضرات پر خود ہی واضح اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ واللّٰہ اعلم

اگرچہ حذف حرف مد کا سبب امثلہ مذکورہ میں التقائے ساکنین ہے جو اتنا عام مستعمل ہے کہ بعض صورتوں میں باوجود عدم التقائے ساکنین کے بھی ان حروف کو حذف ہی کیا جاتا ہے مثلاً روایت ورش میں من تحتها الانهار اور فی الارض اور قالوا لاٰن ان امثلہ میں بوجہ نقل حرکت باوجود عدم التقائے ساکنین کے حروفِ مد حذف ہی کئے جاتے ہیں، تو پھر التقائے ساکنین کی صورت میں بطریقِ اَوْلیٰ حذف ہونا چاہیئے واللّٰہ اعلم ۱۲

یا دو پیش ہوں تو وہاں پر ایک نون ساکن پڑھا جاتا ہے اور لکھا نہیں جاتا اس کو نون تنوین کہتے ہیں یہ تنوین وقف میں حذف کی جاتی ہے مگر دو زبر ہوں تو اس تنوین کو الف سے بدل دیتے ہیں مثلاً (رَقِیْبٌ وَ بِرَسُوْلٍ وَ بَصِیْرًا) اور وصل میں جب اس کے بعد ہمزۂ وصلی ہو تو ہمزۂ وصلی حذف ہو جائے گا اور یہ تنوین بسبب اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کے مکسور پڑھی جائے گی اور اکثر جگہ خلاف قیاس چھوٹا نون لکھ دیتے ہیں۔ مثل (بِرِّ یْنَۃِ نِ الْکَوَاکِبِ، خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃ، خَبِیْثَۃِ نِ اجْتُثَّتْ، طُوًی نِ اذْھَبْ) (فائدہ) تنوین سے ابتدا کرنا یا دہرانا درست نہیں۔

دوسری فصل مدّ[1] کے بیان میں

مد دو قسم ہے اصلی اور فرعی۔ مد اصلی اس کو کہتے ہیں کہ حرف مدّہ کے بعد نہ سکون ہو اور نہ ہمزہ ہو۔ فرعی اس کو کہتے ہیں کہ حرف مدّہ کے بعد سکون یا ہمزہ ہو اور یہ چار قسمیں ہیں متصل[2] اور منفصل[3]۔ لازم[4] اور عارض[5]۔ یعنی حرف مدہ کے بعد اگر ہمزہ آئے اور ایک کلمہ میں ہو تو اس کو مد متصل کہتے ہیں اور اگر ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مد منفصل کہتے ہیں مثل (جَآءَ جِیْٓءَ سُوْٓءَ فِیْٓ انفسکم قالوٓا اٰمنّا ما اُنزل) حرف مد کے بعد جب سکون وقفی ہو مثل (رحیم تعلمون۔ تکذبان) کے تو اس کو مد عارض کہتے ہیں اور اس میں طول توسط قصر تینوں جائز ہیں۔ اور جب حرف مدہ کے بعد ایسا سکون ہو کہ کسی حالت میں حرف مدہ سے جُدا نہ ہو سکے اس کو لازم کہتے ہیں اور یہ چار قسم ہے اس واسطے کہ اگر حرفِ مدہ حروفِ مقطعات میں ہو تو حرفی کہتے ہیں ورنہ کلمی کہیں گے۔ پھر

---

[1] لغوی معنیٰ مد کے مطلقاً زیادتی کے ہیں یمددکم باموال وبنین ای یزدکم اور اصلاحِ مجودین میں اطالۃ الصوت علیٰ حرف المد خاص حروف مد پر آواز کو دراز کرنا اگر کسی اور حرف آواز کو کھینچا جائے گا تو اس پر مد کا اطلاق نہ ہوگا ۱۲

ہر ایک کلمی اور حرفی کی دو قسم ہے مثقل اور مخفف۔ اگر حرف مدہ کے بعد مشدد حرف ہے تو مثقل کہیں گے اور اگر محض سکون ہے تو مخفف ہوگی مدلازم حرفی مثقل اور مدلازم حرفی مخفف کی مثال (الٓمّٓ، الٓرٰ، الٓمّٓرٰ، کٓهٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ، حٰمٓ طٰسٓمٓ نٓ صٓ قٓ) اور مدلازم کلمی مثقل کی مثال (دآبّة) اور مدلازم کلمی مخفف کی مثال (آلْئٰن) اور حرف (و) یا (یاء) ساکن کے پہلے فتحہ ہو اور اس کے بعد ساکن حرف ہو تو اس کو مدلین کہتے ہیں اور اس میں قصر توسط طول تینوں جائز ہیں اور عین مریم اور عین شوریٰ میں قصر نہایت ضعیف ہے، اور طول افضل اور اولیٰ ہے۔

(فائدہ) سورۂ آلِ عمران کا (الٓمّٓ اللّٰه) وصل کی حالت میں میم ساکن اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے مفتوح پڑھی جاوے گی اور اللہ کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا۔ اور میم میں مدلازم ہے اس وجہ سے وصل میں طول اور قصر دونوں جائز ہیں۔ (فائدہ) حرف مدہ جب موقوف ہو تو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ایک الف سے زائد نہ ہو جائے دوسرے یہ کہ بعد حرف مدہ کے ہاو ہمزہ نہ زائد ہو جاوے مثل (قالوا انی مالا) جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ہو جاتا ہے۔

تیسری فصل مقدار اور اوجہ مد کے بیان میں

مد عارض اور مدلین عارض میں تین وجہ ہیں طول توسط قصر۔ فرق اتنا ہے کہ مد عارض میں طول اولیٰ ہے اس کے بعد توسط اس کے بعد قصر کا مرتبہ ہے۔ بخلاف مدلین عارض کے اس میں پہلا مرتبہ قصر کا ہے اس کے بعد توسط کا اس کے بعد طول کا۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ مقدار طول کی کیا ہے۔ طول کی مقدار تین الف ہے اور توسط کی مقدار دو الف ہے۔ اور ایک قول میں طول کی مقدار پانچ الف اور توسط کی مقدار تین الف ہے اور قصر کی مقدار دونوں قول میں ایک ہی الف ہے (فائدہ) مدلازم کی چاروں قسموں میں طول علی التساوی ہوگا اور بعض کے نزدیک مثقل میں زیادہ مد ہے اور بعض کے نزدیک مخفف میں زیادہ مد ہے مگر

جمہور کے نزدیک تساوی ہے (فائدہ) حرف موقوف مفتوح کے قبل جب حرف مدہ یا حرف لین ہو مثل (عالمین لاضیر) تو تین وجہ وقف میں ہوں گی۔ طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان۔ اور اگر حرف موقوف مکسور ہے تو وجہ عقلی چھ نکلتی ہیں اس میں سے چار جائز ہیں۔ طول توسط۔ قصر مع الاسکان۔ قصر مع الروم اور طول توسط مع الروم غیر جائز ہے اس لئے کہ مد کے واسطے بعد حرف مد کے سکون چاہیئے اور روم کی حالت میں سکون نہیں ہوتا بلکہ حرف متحرک ہوتا ہے اور اگر حرف موقوف مضموم ہے مثل (نستعین) کے تو ضربی عقلی وجہیں نو ہیں۔ طول و توسط قصر مع الاسکان۔ طول توسط قصر مع الاشمام قصر مع الروم یہ سات وجہیں جائز ہیں اور طول توسط مع الروم غیر جائز ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔ (فائدہ) جب مد عارض یا مدلین کئی جگہ ہوں تو ان میں تساوی اور توافق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یعنی اگر ایک جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے اگر توسط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسط کرنا چاہیئے۔ اگر قصر کیا ہے تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیئے۔ ایسا ہی مدلین بھی جب کئی جگہ ہوں تو توافق ہونا چاہیئے اور جیسا کہ طول توسط میں توافق ہونا چاہیئے ایسا ہی مقدار طول توسط میں بھی توافق ہونا چاہیئے مثلاً اَعُوْذُ اور بَسْمَلہ سے رَبِّ العٰلمین تک فصلِ کُل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس نکلتی ہیں اس طرح پر کہ رحیم کے اوجہ ثلاثہ مع الاسکان اور قصر مع الروم کو رحیم کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں اور ان سولہ کو (العٰلمین) سے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجہیں ہوتی ہیں جن میں چار بالاتفاق جائز ہیں یعنی (رحیم رحیم العٰلمین) میں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قصر مع الاسکان (رحیم رحیم) میں قصر مع الروم کی حالت میں (العٰلمین) میں قصر مع الاسکان اور بعض نے (رحیم رحیم) کے قصر مع الروم کی حالت میں (العٰلمین) میں طول توسط کو جائز رکھا ہے۔ باقی بیالیس وجہیں بالاتفاق غیر جائز ہیں اور فصلِ اول وصلِ ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں بارہ نکلتی ہیں اس طرح پر کہ (رحیم) کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم کو (العٰلمین) کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے سے

بارہ وجہیں ہوتی ہیں۔ ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں طول مع الطول مع الاسکان توسط مع التوسط مع الاسکان۔ قصر مع القصر مع الاسکان قصر مع الروم مع القصر بالاسکان اور قصر مع الروم مع التوسط بالاسکان اور قصر مع الروم مع الطول بالاسکان یہ دو وجہیں مختلف فیہ ہیں باقی وجہیں بالاتفاق غیر جائز اور وصلِ اول فصلِ ثانی میں بھی بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں اور ان میں چار صحیح ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں۔ اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں وہ بعینہٖ مثل فصلِ اوّل اور وصلِ ثانی کے ہیں اس وجہ سے نہیں بیان کی گئیں اور وصل کل کی حالت میں (العالمین) کے مدود ثلاثہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور بسملہ میں پندرہ یا اکیس وجہیں صحیح ہیں۔

(فائدہ) یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ (العالمین) پر وقف کیا جائے اور اگر (الرحمٰن الرحیم) پر یا (یوم الدین یا نستعین) پر وقف کیا جائیگا یا کہیں وصل اور کہیں وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں ضربی نکلیں گی اور ان میں وجہ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وجہ سے ضعیف کو قوی پر ترجیح ہو جائے یا مساوات نہ رہے یا اقوالِ مختلفہ میں خلط ہو جائے تب یہ وجہ غیر صحیح ہوگی۔

(فائدہ) جب مدعارض اور مدلین عارض جمع ہوں تو اس وقت عقلی وجہیں کم از کم نو نکلتی ہیں اب اگر مدّ عارض مقدم ہے مدلین پر مثلاً (من جوع ومن خوف) تو چھ وجہیں جائز ہیں یعنی طول مع الطول۔ طول مع التوسط۔ طول مع القصر۔ توسط مع التوسط۔ توسط مع القصر۔ قصر مع القصر اور تین وجہیں غیر جائز ہیں یعنی توسط مع الطول۔ قصر مع التوسط۔ قصر مع الطول۔ اور جب مدلین مقدم ہو مثل (لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ) تو اس وقت بھی نو وجہیں نکلتی ہیں اس میں سے چھ وجہیں جائز ہیں یعنی قصر مع القصر قصر مع التوسط قصر مع الطول توسط مع الطول توسط مع التوسط طول مع الطول۔ اور طول مع التوسط اور طول مع القصر اور توسط مع القصر یہ تین غیر جائز ہیں اور یہ وجہیں غیر جائز اس وجہ سے ہیں کہ حروفِ مدہ میں مد اصل اور قوی ہے اور حرفِ لین میں جو مد ہوتا ہے وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اس وجہ سے حرف لین میں مد ضعیف ہے اور ان صورتوں میں ترجیح ضعیف کی قوی پر ہوتی ہے اور یہ غیر جائز ہے اور اگر موقوف علیہ میں بسبب

اختلاف حرکات کے روم اور اشمام جائز ہو تو اس میں اور وجہیں زائد پیدا ہونگی اس میں بھی مساوات اور ترجیح کا خیال رکھنا چاہیئے مثل (من جوع ومن خوف) (فائدہ) مد متصل اور منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں دو الف ڈھائی الف چار الف اور منفصل میں قصر بھی جائز ہے ان اقوال میں جس پر چاہے عمل کیا جاوے مگر اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ مد متصل جب کئی جگہ ہوں تو جس قول کو پہلی جگہ لیا ہے وہی دوسری جگہ رہے مثلاً (وَالسَّمَآءَ بَنَآءً) میں اگر اقوال کو ضرب دیا جائے تو نو وجہیں ہوتی ہیں اور ان میں سے تین وجہ جو مساوات کی ہیں وہ صحیح ہیں، باقی چھ وجہیں غیر صحیح ہیں ایسا ہی جب مد منفصل کئی جمع ہوں تو اُن میں بھی اقوال کو خلط نہ کرے مثلاً (لا تؤاخذنا ان نسینا او) اس میں بھی یہ نہ ہونا چاہیئے کہ پہلی جگہ ایک قول لے دوسری جگہ دوسرا قول لیا جائے بلکہ مساوات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ (فائدہ) جب مد منفصل اور متصل جمع ہوں اور مثلاً منفصل مقدم ہو متصل پر مثل (هٰٓؤُلَآءِ) کے تو جائز ہے منفصل میں قصر اور دو الفی اور متصل میں دو الف ڈھائی الف چار الف اور جب منفصل میں ڈھائی الف مد کیا جاوے تو متصل میں ڈھائی الف چار الف مد جائز ہے اور دو الف غیر جائز ہے اس واسطے کہ متصل منفصل سے اقویٰ ہے اور ترجیح ضعیف کی قوی پر غیر جائز ہے اور جب منفصل میں چار الف مد کیا تو متصل میں صرف چار الف مد ہوگا۔ اور ڈھائی الف دو الف اس صورت میں غیر جائز ہوگا۔ وجہ وہی رجحان کی ہے اور جب مد متصل منفصل پر مقدم ہو مثل (جآءُوْٓا اباهم) تو اگر متصل میں چار الف مد کیا ہے تو منفصل میں چار الف ڈھائی الف دو الف اور قصر جائز ہے اور اگر ڈھائی الف مد کیا ہے تو منفصل میں ڈھائی الف دو الف اور قصر جائز ہے اور چار الف غیر جائز ہے ایسا ہی اگر متصل میں دو الف مد کیا ہے تو منفصل میں صرف دو الف اور قصر ہوگا اور ڈھائی الف چار الف مد نہ ہوگا (فائدہ) جب متصل منفصل کئی جمع ہوں مثل (باسماء هٰٓؤُلَآءِ) تو انہیں قواعد پر قیاس کر کے وجہ صحیح غیر صحیح نکال لی جائے۔

(فائدہ) جب متصل کا ہمزہ اخیر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان

یا اشمام کے ساتھ کیا جائے مثل (یشاء قردء نسیبی) تو اس وقت میں طول[1] بھی جائز ہے اور سکون کی وجہ سے قصر[2] جائز نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس صورت میں سبب اصلی کا الغاء اور سبب عارضی کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ غیر جائز ہے اور اگر وقف بالروم کیا ہے تو صرف توسط ہوگا۔

(فائدہ) خلاف جائز سے جو وجہیں نکلتی ہیں مثل اوجہ بسملہ وغیرہ کے ان میں سب وجہوں کا ہر جگہ پڑھنا معیوب ہے اس قسم کی وجہوں میں ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے البتہ افادہ کے لحاظ سے سب وجہوں کا ایک جگہ جمع کر لینا معیوب نہیں (فائدہ) اس فصل میں جو غیر جائز اور غیر صحیح کہا گیا ہے مراد اس سے غیر اولیٰ ہے قاری ماہر کے لئے معیوب ہے (فائدہ) اختلاف مرتب میں خلط کرنا یعنی ایک لفظ کا اختلاف دوسرے پر موقوف ہو مثلاً (فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات) اس میں آدم کو مرفوع پڑھیں تو کلمات کو منصوب پڑھنا ضروری ہے ایسا ہی بالعکس ایسے اختلاف کے موقع پر خلط بالکل حرام ہے اور اگر ایک روایت کا التزام کر کے پڑھا اور اس میں دوسرے کو خلط کر دیا تو کذب فی الروایت لازم آئے گا اور علیٰ حسب التلاوۃ خلط جائز ہے مثلاً حفص کی روایت میں دو طریق[3] مشہور ہیں۔ ایک امام شاطبی دوم جزری تو ان میں خلط کرنا اس لحاظ سے کہ دونوں وجہ حفص رح سے ثابت ہیں کچھ حرج نہیں خصوصاً جب ایک وجہ عوام میں شائع ہوگئی ہو اور دوسری وجہ مشہور ثابت عند القراء متروک ہو تو ایسی صورت میں لکھنا پڑھنا پڑھانا نہایت ضروری ہے۔ متاخرین کے اقوال و آراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ نہیں۔

---

[1] شروع مد کی فصل میں معلوم ہو چکا کہ زیادتی علی القصر یعنی مد فرعی کے دو سبب ہیں (۱) حرف مد کے بعد سکون کا آنا اجتماعِ ساکنین سے جو ثقل پیدا ہوا اس کے رفع کرنے کی غرض سے مد کیا جاتا ہے (۲) حرفِ مد کے بعد ہمزہ کا آنا حرف مد ضعیف ہے ہمزہ قوی ہے اور ضعیف کے بعد قوی ہوگا تو یہ تلفظ اہلِ زبان کے نزدیک ثقیل ہے اسی لئے مد کیا جاتا ہے اور یہاں مد متصل پر وقف کرنے کی صورت میں دونوں سبب اکٹھے ہوگئے پس اجتماعِ سببین سے اور زیادہ ثقالت پیدا ہوگئی اس وجہ سے

(بقیہ صلہ پر)

فصل چوتھی وقف کے احکام میں

(بقیہ حاشیہ ص۵۰) طول بھی جائز رکھا گیا ۱۲ سہ چونکہ مد متصل میں مستقل اور اصلی سبب ہمزہ ہے اور وقف کی وجہ سے سکون بھی عارض ہوگیا اس عارضی سبب کا لحاظ کرتے ہوئے مثل مد عارض وقفی کے قصر جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں سبب ضعیف کو سبب قوی پر ترجیح ہو جائے گی ۱۲ سہ مثلاً نون ساکن اور تنوین کا ادغام لام اور راء میں تمام قراء کے لئے بلا غنہ بطریق شاطبی ہے کما قال الشاطبی ص۳۰ وکلهم التنوین والنون ادغموا بلا غنة فی اللام والراء الیجلا اور بطریق علامہ جزری علاوہ حمزہ کسائی اور شعبہ کے بقیہ قراء کے لئے ادغام بالغنہ بھی ثابت ہے کما قال الطیبة ص۱۱۲ وادغم بلا غنة فی لام وراء وهی لغیر صحبة ایضاً تری خلاصہ یہ ہوا کہ حفص رح کی روایت میں ہر دو طریق کے لحاظ سے نون کا ادغام لام وراء میں بلا غنہ اور باغنہ دونوں طرح سے ثابت ہے لیکن عوام میں ادغام بلا غنہ ہی مشہور و معروف ہے اور ادغام باغنہ متروک ہوگیا ہے ۱۲

یا ایک ہی کتاب سے کسی قاری یا راوی کے لئے دو وجہیں نکلتی ہوں اور ثابت ہوں مثلاً آخر سورۂ روم میں تین جگہ جو لفظ ضُعف آیا ہے اس میں شاطبی کے طریق سے حفص کے لئے ضمہ ضاد اور فتحہ ضاد دونوں ثابت ہیں لیکن ضمہ مشہور اور معروف ہوگیا اور فتحہ متروک ہے کما قال الشاطبی ص۳۶ وفی الروم ضعف عن خلف فصل الخ

(حاشیہ صفحہ ھذا) معرفتِ وقف اور ابتداء کی ضرورت اور اہمیت میں ایک ذمہ دار قاری مُقری کے لئے علمِ اوقاف اور ابتداء جتنا ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل کتب معتبرۂ تجوید سے ظاہر ہے قول المفید ص۱۲ لغایة ص۱۳ اعلم ان هذا الباب مما ینبغی للقاری ان یهتم بمعرفته ویصرف فی اتقانه اکبر همته حتی ان بعضهم جعل تعلم الوقف واجبا لما ورد ان علیا رضی الله عنه سئل عن قوله تعالیٰ ورتل القرآن ترتیلا۔ فقال الترتیل تجوید الحروف وَ معرفة الوقوف اور اسی صفحہ میں کچھ آگے چل کر کہتے ہیں ومن ثم اشترط کثیر من الائمة الخلف علی المجیز ان لا یجیز احداً الا بعد معرفة الوقف والابتداء اور اس سے آگے یہ ہے قال بعضهم ان معرفة الوقف تظهر مذهب اهل السنة من مذهب المعتزلة لنفی اختیار الخلق لاختیار الحق

(بقیہ ص۵۲ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۵۱) فلیس لاحد ان یختار بل الخیرۃ للہ تعالیٰ اخرج ھذا الاثر البیھقی فی سننہ اور صفحہ ۱۴۲ میں ہے وقال الھذلی فی کاملہ الوقف حلیۃ التلاوۃ و زینۃ القاری وبلاغ التالی وفھم المستمع وفخر العالم وبہ یعرف الفرق بین المعنیین المختلفین والنقیضین المتنافیین والحکم المتغایرین۔ وقال ابوحاتم من لم یعرف الوقف لم یعرف القرآن وقال ابن الانباری من تمام معرفۃ القرآن معرفۃ الوقف والابتداء اذ لا یتأتی لاحد بمعرفۃ معانی القرآن الا بمعرفۃ الفواصل فھذا ادل دلیل علیٰ وجوب تعلمہ وتعلیمہ اور قول ابن عمر لقد عشنا برھۃ من دھرنا الخ اور اسی طرح کی عبارتیں کتاب النشر ص۲۲۳ لغایۃ ص۲۲۵ اور شرح جزری ملا علی قاری ص۶ میں موجود ہیں جن سے علم اوقاف اور ابتدا کی سخت ضرورت ظاہر اور ثابت ہوتی ہے۔

لیکن بعض آیتیں اور مضامین طویل ہونے کی بنا پر اگر قبل اختتام مضمون بحسب المعنیٰ سانس کی تنگی وغیرہ سے وقف کر دیا جائے جس کو وقف اضطراری کہتے ہیں تو پھر اعادہ از ماقبل چونکہ وہ اختیاری ہے اس کا خیال ولحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کلام مفید اور مربوط ہو جائے اور سامع کو فہم معنیٰ میں کسی جملہ وغیرہ کا انتظار نہ رہے جیسا کہ نشر جزء اول ص۲۲۹ میں ہے واما الابتداء فلا یکون الا اختیاریا لانہ لیس کالوقف تدعوا الیہ ضرورۃ فلا یجوز الا بمستقل بالمعنیٰ موقوف بالمقصود اور قول المفید ص۲۴۳ میں ہے فان عرض لہ ای للقاری عجز بعطس او قطع نفس او نحوہ عند ما یکرہ الوقف علیہ عاد من اول الکلام لیکون الکلام متصلا بعضہ ببعض اور شرح جزری ملا علی قاری ص۵۸ میں ہے الا ان یکون القاری مضطرا فانہ یجوز الوقف حال اضطرارہ کانقطاع نفس ونحوہ لکن اذا وقف یبتدی من الکلمۃ التی وقف علیھا یعنی اذا حسن الابتداء بھا اور قول المفید ص۱۴۴ میں یہ عبارت ہے واضطراری وھو ما یعرض بسبب ضیق النفس ونحوہ کعجز ونسیان فحینئذ یجوز الوقف علی ای کلمۃ وان لم یتم المعنیٰ کما ان وقف علیٰ شرط دون جوابہ او علیٰ موصول دون صلۃ لکن یجب الابتداء من الکلمۃ التی وقف علیھا ان صلح الابتداء بھا (فائدہ) اور قول المفید ص۱۰۱ میں ہے قبح الابتداء لا یخص بالمجرور بل الابتداء بکل تابع قبیح الخ پس ان عبارتہائے مرقومۂ بالا سے صاف معلوم ہو گیا کہ وقف تو اضطراری ہو سکتا ہے لیکن اعادہ اور ابتداء چونکہ یقینی اختیاری ہے

(بقیہ ص۵۳ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) اس لئے اعادہ میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کلام مرتبط اور مرکب مفید کے درجہ میں ہو لہٰذا اس قاعدۂ کلیہ کے مطابق جار مجرور سے اعادہ کرنا بدون متعلق کے یا محض مفعول سے بدون فعل و فاعل کے یا صرف جزا سے بدون شرط کے یا صلہ سے بدون موصول کے وغیرہ وغیرہ عرفاً مکروہ اور قبیح ہے۔

تنبیہ (۱) قرا سبعہ میں امام نافع اور امام عاصم اور امام کسائی ان تینوں قاریوں کا مسلک اور مذہب وقف و ابتداء کے بارے میں یہ ہے نشر جزو اول ص۲۳۷ لغایۃ ص۲۳۸ (فنافع) کان یراعی محاسن الوقف والابتداء بحسب المعنی کما ورد عنہ النص بذلک (وعاصم) ذکر عنہ ابو الفضل الرازی انہ کان یراعی حسن الابتداء و ذکر الخزاعی ان عاصمًا والکسائی کانا یطلبان الوقف من حیث یتم الکلام۔ جب امام عاصم کا مذہب معلوم ہو گیا تو اب روایتِ حفص میں تلاوت کرنے والوں کو اتباعًا للامام وقف اور ابتداء میں اتمامِ کلام بحسب المعنیٰ کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے خصوصًا ایک قاری مقری ذمہ دار کے لئے اور اس کا التزام نہ کرنے اور اس کے خلاف کرنے سے یہ نقصان اور خرابی ہو گی کہ وہ طلبہ جو اس سے اخذ کر رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں ان کی نظر میں اس چیز کی اہمیت اور ضرورت نہ رہے گی۔ اور وقف و ابتداء کے مسئلہ میں عملاً وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو جائیں گے۔ اور اس کوتاہی کا سلسلہ آئندہ ان قارئین کے تلامذہ میں بھی جاری و ساری رہے گا جس کی تمام تر ذمہ داری قاری مقری پر عائد ہو گی۔

تنبیہ (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب اعادہ اور ابتداء میں قاری مقری کو کلام کے ربط وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے تو پھر بوقت افتتاحِ تلاوت خصوصًا مجالس میں کسی ایسی جگہ سے شروع نہ کرنا چاہیے کہ سامعین کو تفہیم معنیٰ میں کسی ماقبل کے مضمون متعلقہ کا انتظار رہے مثلاً ان تعذبھم فانھم عبادک اور لھم فیھا زفیر وھم فیھا لا یسمعون اور ذلک عیسیٰ ابن مریم وغیرہ سے افتتاحِ تلاوت کرنا کہ مواضعِ اولین میں سامعین کو ضمائر کے مرجع کی تلاش اور فکر رہے گی اور موضعِ ثالث میں ذلک کا مشارٌ الیہ تلاش کرنا ہو گا۔ فقط

وقف کے معنیٰ اخیر کلمہ غیر موصول پر سانس کا توڑنا[1]۔ اب اگر وہاں پر کوئی آیت ہے یا کوئی وقف اوقاف معتبرہ سے ہے تو بعد کے کلمہ سے ابتدا کرے، ورنہ جس کلمہ پر سانس توڑے اس کا اعادہ کرے اور وسط کلمہ پر اور ایسا ہی جو کلمہ دوسرے کلمہ سے موصول ہو اس پر وقف جائز نہیں، ایسا ہی ابتدا اور اعادہ بھی جائز نہیں۔ اب معلوم ہونا چاہیئے کہ جس کلمہ پر سانس توڑنا چاہتا ہے اگر وہ پہلے سے ساکن ہے تو محض وہاں پر سانس توڑ دیں گے اور اگر وہ کلمہ اصل میں ساکن ہے مگر حرکت اس کو عارض ہو گئی ہے تب بھی وقف محض اسکان کے ساتھ ہوگا۔ مثل علیھم الذلۃ و انذر الناس۔ اور اگر وہ حرف موقوف متحرک ہے تو اس کے اخیر میں (تا) بصورت (ہا) ہے تو وقف میں اس (تا) کو (ہا) ساکنہ[2] سے بدل دیں گے مثل (رَحْمَةٌ نِعْمَةٌ) اور اگر ایسا نہ ہو تو آخر حرف پر اگر دو زبر ہیں تو تنوین کو الف سے بدل دیں گے مثل (سواءً ھدیً) اور اگر حرف موقوف پر ایک زبر ہے تو وقف صرف اسکان کے ساتھ ہوگا مثل (یعلمون) کے اور اگر اخیر حرف پر ایک پیش یا دو پیش ہوں مثل (دبرٌ یفعل) تو وقف اسکان اور اشمام اور روم تینوں سے جائز ہے۔ اشمام کے معنیٰ ہیں حرف کو ساکن کر کے ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا اور روم کے معنیٰ ہیں حرکت کو خفی صوت سے ادا کرنا اور اگر اخیر حرف پر ایک زیر یا دو زیر ہوں مثل (ذوانتقام وَلَا فی السَّمَاءِ) تو وقف میں اسکان اور روم دونوں جائز ہیں (فائدہ) روم اور اشمام اسی حرکت پر ہوگا جو کہ اصلی ہوگی اور حرکت عارضی ہوگی تو روم و اشمام جائز نہ ہوگا مثل (اَنْذِرِ النَّاسَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ) (فائدہ) روم کی حالت میں تنوین

---

[1] وقف کی مشہور تعریف عند القراء یہ ہے قطع الصوت مع النفس و اسکان المتحرک ان کان متحرکا۔ یعنی آواز اور سانس دونوں کا انقطاع اور متحرک حرف کا ساکن کر دینا۔ لیکن چونکہ سانس کا انقطاع آواز کے انقطاع کو مستلزم ہے اس وجہ سے مؤلفؒ نے صرف سانس کے انقطاع پر اکتفا کیا ۱۲ [2] سبحان اللہ کتنے لطیف پیرایہ میں حضرت مؤلفؒ نے یہ بتا دیا کہ تاء مربوطہ پر وقف بالاسکان ہی ہوگا۔ روم اور اشمام جائز نہیں ۱۲

حذف ہو جائے گی جیسا کہ (ہا) ضمیر کا صلہ وقف بالروم اور بالاسکان میں حذف ہوتا ہے مثل بِهٖ لَهٗ کے (فائدہ) اَلظُّنُونَا اور اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِيْلَا جو سورۂ اَحزاب میں ہے اور پہلا (قَوَارِيْرَا[1]) جو سورۂ دہر میں ہے اور (اَنَا) جو ضمیر مرفوع منفصل ہے ایسے ہی (لٰكِنَّا) جو سورۂ کہف میں ہے ان کے آخر کا الف وقف میں پڑھا جائے گا اور وصل میں نہیں پڑھا جائے گا۔ (سَلَاسِلَا) جو سورۂ دہر میں ہے جائز ہے وقف کی حالت میں اثبات الف اور حذف الف (فائدہ) آیات پر وقف کرنا زیادہ اَحَبّ اور مستحسن ہے اور اس کے بعد جہاں م لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں (ط) لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں (ج) لکھی ہو اس کے بعد جہاں (ز) لکھی ہو غیر اَوْلیٰ کو اَوْلیٰ پر ترجیح نہ دینا چاہیے یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا یا (م) کی جگہ وصل کر کے (ط) وغیرہ پر وقف کرنا بلکہ ایسا انداز رکھے کہ جب سانس توڑے تو آیت پر یا (م ط) پر بعض کے نزدیک جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی ہو تو وہاں پر وَصل اَوْلیٰ ہے فصل سے اور وَصْل کی جگہ صرف وقف یا وقف[2] کی جگہ صرف وصل کرنے سے معنیٰ نہیں بدلتے اور محققین کے نزدیک نہ گناہ نہ کفر ہے البتہ قواعد عربیہ[3] کے خلاف ہے جن کا اتباع کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ایہام معنیٰ غیر مراد لازم نہ آئے ایسا ہی اعادہ میں بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ بعض جگہ اعادہ نہایت قبیح ہوتا ہے جیسا کہ وقف کہیں حَسَن کہیں اَحْسَن کہیں قبیح کہیں اَقبح ہوتا ہے۔ ایسا ہی اعادہ بھی چار قسم پر ہے تو جہاں سے اعادہ حَسَن یا اَحْسَن ہو وہاں سے کرنا چاہیے ورنہ اعادہ قبیح سے ابتدار بہتر ہے مثلاً (قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ) سے اعادہ حسن ہے اور (اِنَّ اللّٰهَ) سے قبیح ہے (فائدہ) تمام اوقاف پر سانس توڑنا باوجود دم ہونے کے ایسا نہ چاہیے۔ قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے لکھتے ہیں تو جب ہر

---

[1] چونکہ راس آیت ہے رعایت سجع کی وجہ سے الف پر وقف ہوگا گو حفص رح کے نزدیک غیر منوّن ہے لیکن دوسرا قواریرا چونکہ راس آیت نہیں غیر منون ہونے کی وجہ سے وصل اور وقف دونوں حالتوں میں الف نہ پڑھا جائے گا ۱۲ [2] مثلاً ماما من الٰہ یا انی کفرت پر وقف کرنا ۱۲ [3] مثلاً ولا یحزنک قولہم کا مابعد انّ العزۃ سے وصل کر دینا ۱۲ [4] اس سے مراد قواعد عربیہ ہیں۔

منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے تو ایسا ہر جگہ وقف کرنا فعل عبث ہے جتنی دیر وقف کرے گا اتنی دیر میں ایک دو کلمہ ہو جائیں گے البتہ لازم مطلق پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی نہ ہو ایسی جگہ وقف کرنا ضروری اور مستحسن ہے اور کلمہ کا محض ساکن کرنا یا اور جو احکام وقف کے ہیں ان کو کرنا بلا سانس توڑے اس کو وقف نہیں کہتے یہ سخت غلطی ہے (فائدہ) کلمات میں تقطیع اور سکتات نہ ہونا چاہیئے خصوصاً سکون پر البتہ جہاں روایۃً ثابت ہوا ہے وہاں سکتہ کرنا چاہیئے اور یہ چار جگہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا یہ سخت غلطی ہے وہ سات جگہ یہ ہیں (دلل۔ ھرب۔ کیو۔ کنع۔ کنس۔ نعل۔ بعل) اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اوّل کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات گھڑ لئے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے۔ جیسا کہ ملا علی قاری شرح مقدمہ جزریہ میں تحریر فرماتے ہیں (ومما اشتھر علی لسان بعض الجھلۃ من القراء فی سورۃ الفاتحۃ للشیطن کذا من الاسماء فی مثل ھذہ التراکیب من البناء فخطاء فاحش واطلاق قبیح ثم سکتھم علی نحو دال الحمد وکاف ایاک وامثالھا غلط صریح) فائدہ (کَاَیِّنْ) میں جو نون ساکن ہے یہ نون تنوین کا ہے اور مرسوم ہے اس لفظ کے سوا مصحفِ عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی جاتی اور قاعدے سے یہاں تنوین وقف کی حالت میں حذف ہونا چاہیئے مگر چونکہ وقف تابع رسم خط کے ہوتا ہے اور یہاں تنوین مرسوم ہے اس وجہ سے وقف میں ثابت رہے گی۔ (فائدہ) آخر کلمہ کا حرفِ علت جب غیر مرسوم ہو تو وقف میں بھی محذوف ہو گا۔ اور جو مرسوم ہو گا وہ وقف میں بھی ثابت ہو گا ثابت فی الرسم کی مثال (واقیموا الصلوٰۃ

ف۱ یعنی اور بعض ناواقف لوگوں کی زبان پر جو مشہور ہو گیا ہے کہ قرآن میں سورۂ فاتحہ کے دلل۔ ھرب۔ کیو۔ کنع۔ کنس۔ نعل۔ بعل کی ترکیبوں سے شیطان کے نام ہیں یہ فحش غلطی ہے پھر سکتہ کرنا ان ناواقفوں کا مثل دال الحمد اور کاف ایاک وغیرہ پر صریح غلط ہے ۱۲

تحتها الانهار و لا تشقی الحرث) اور محذوف فی الرسم کی مثال (فَارْهَبُوْنِ وَسَوْفَ یؤْتِ اللّٰہ) سورۂ نساء میں (نُنْجِ الْمؤْمنین) سورۂ یونس میں (متاب عقاب) سورۂ رعد میں۔ مگر سورۂ نمل میں جو (فما اٰتانِ اللّٰہ) ہے اس کی یا باوجودیکہ غیر مرسوم ہے وقف میں جائز ہے اثبات اور حذف اس واسطے کہ وصل میں حفص اس کو مفتوح پڑھتے ہیں (ویدع الانسان) سورۂ اسرا میں (ویمحُ اللّٰہُ الباطِلَ) سورۂ شوریٰ میں (یدع الداع) سورۂ قمر میں (سندع الزبانیۃ) سورۂ علق میں (ایّہ المؤمنون) سورۂ نور میں (ایّہ الثقلان) سورۂ زخرف میں (ایّہ الساحر) سورۂ رحمٰن میں۔ البتہ اگر تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوگا۔ تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا اس کی مثال یُحْیِ یَسْتَحْیٖ وان تلوٗ۔ وَلْتَسْتَوِ جَآءَ مَآءً سَوْآءَ (تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ)

لہ محذوف فی الرسم بوجہ تماثل ثابت فی الوقف کی امثلہ کے سلسلہ میں مؤلفؒ کلمہ جاء بھی لائے ہیں حالانکہ ہمزہ کی رسم کے جو اصول ہیں ان کے اعتبار سے جاء میں ہمزہ متطرفہ متحرکہ ماقبل ساکن کو ضوابط کے مطابق محذوف الشکل ہونا چاہیئے جیساکہ خود حضرت مؤلفؒ نے شرح رائیہ مسمّٰی بدور العقیلہ مطبوعہ الٰہ آباد ص۶۸ میں جاء شاء وغیرہ کو محذوف الشکل بتلایا ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ کلمہ جاء اصل میں جَیَأَ اجوف یائی ہے اور ہمزہ متحرک درحقیقت متحرک کے بعد مثل بَدَأَ اور قَرَأَ کے الف کی شکل میں تھا لیکن جب حسب قاعدہ تعلیل کی گئی ی متحرک ماقبل مفتوح اُس ی کو الف سے بدلا گیا۔ اب تماثل ہُوا جس کی وجہ سے ہمزہ کی شکل کو حذف کردیا گیا۔ تو گویا فوائد مکیہ میں کلمہ کی اصل کے اعتبار سے جَآءَ کو اس قبیل میں داخل کیا اور شرح رائیہ میں کلمہ کی اصل اور تعلیل وغیرہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی ظاہری شکل یعنی متطرفہ متحرکہ بعد ساکن۔ ان امثلہ میں شامل کردیا جن میں تماثل کی وجہ سے حذف نہیں بلکہ وضعاً ہمزہ محذوف ہے مثل سفہاء اور یشاء اور من مآء وغیرہ کے ۱۲ سہ مآءً اور سوآءً یہ دونوں منصوب منون مراد ہیں کیونکہ ان دونوں کلموں کی بقیہ صورتوں میں ہمزہ کی شکل وضعاً محذوف ہے نہ کہ تماثل کی وجہ سے البتہ منصوب منون ہونے کی حالتیں ہمزہ متوسط متحرک ماقبل الف اپنی حرکت کے مطابق الف کی شکل میں ہونا چاہیئے اور چونکہ تنوین نصبی کا رسم خط بالالف ہوتا ہے اس لئے الف بشکل ہمزہ اور الف تنوین اور الف ماقبل ہمزہ ان میں تماثل ہونے کی وجہ سے آخیر کے دو الف حذف ہوں گے ۱۲

(باقی حاشیہ ص۵۸ پر)

(فائدہ) لَا تَأْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ اصل میں (لَا تَامَنُنَا) دونوں ہیں اور پہلا نون مضموم ہے دوسرا مفتوح اور لانا فیہ ہے اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں، بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام ضرور کرنا چاہیئے اور اظہار کی حالت میں روم ضروری ہے۔

(فائدہ) حرفِ مُبدا اور موقوف کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کامل طور سے ادا ہو خاص کر جب ہمزہ یا عین موقوف کسی حرف ساکن کے بعد ہو مثل (شَیْءٌ سُوْءٌ جُوْعٌ) اکثر خیال نہ کرنے سے ایسے موقع پر حرف بالکل نہیں ادا ہوتا یا ناقص ادا ہوتا ہے۔

(فائدہ) نون خفیفہ قرآن شریف میں دو جگہ ہے ایک (ولیکونا من الصّاغرین) سورۂ یوسف میں دوسرا (لَنَسْفَعًا) سورۂ اقراء میں یہ نون وقف میں الف سے بدل جائے گا اس وجہ سے کہ اس کی رسم الف کے ساتھ ہے۔

خاتمہ

پہلی فصل

جاننا چاہیئے کہ قاری مُقرِی[1] کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے ایک تو

(بقیہ حاشیہ ص۵۷) سے اس کلمہ کی اصل تواءی بروزن تخاصم اس میں علاوہ الف بنائی کے دو الف اور ہوناچاہئیں ایک الف بشکل ہمزہ متوسط دوسرا الف مبدل عن الیاء بوجہ تماثل دو الف محذوف ہوں گے جیسا کہ شرح رائیہ مسمّٰی بدور العقلیہ مطبوعہ الٰہ آباد ص۵۲ دوسرے بیت یعنی واکتُبْ تواء وجاء انا بواحدۃ + تبوّءٌ املجأ ماءٌ مع النظرا۔ اور اس کی شرح سے ظاہر ہے شرح یہ ہے۔ ای اذا کان فی آخر الکلمۃ الفان او ثلثۃ فلم ترسم الا واحدۃ نحو تواء من قولہ تعالیٰ فلما تراء الجمعان وھو علیٰ وزن تفاعل الف بعد الراء وبعد ھا ھمزۃ اذا رسمت بصورۃ الالف والف لام الفعل فلم ترسم الا واحدۃ اور کچھ آگے چل کر کہتے ہیں ملجا وماءً حالۃ النصب فیہ الفان صورۃ الھمزۃ والف التنوین ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] یعنی معلّم ۱۲

علم تجوید یعنی حروف کے مخارج اور اس کے صفات کا جاننا دوسرا علم اوقاف ہے یعنی اس بات کو جاننا کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیئے اور کس طرح نہ کرنا چاہیئے اور کہاں معنیٰ کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے تجوید کے اکثر مسائل بیان ہو چکے ہیں اور اوقاف جو قبیل ادا[1] سے ہیں وہ بھی بیان کر دیئے گئے اور جو قبیل معانی[2] سے ہیں مختصر طور سے ان کے رموز کا بھی جو دال علی المعانی ہیں بیان کر دیا اور بالتفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی اور مقصود اختصار ہے اور تیسرے رسم عثمانی ہے اس کا بھی جاننا ضروری ہے یعنی کس کلمہ کو کہاں پر کس طرح لکھنا چاہیئے کیونکہ کہیں تو رسم مطابق تلفظ کے ہے اور کہیں غیر مطابق اب اگر ایسے مواقع پر جہاں مطابقت نہیں ہے وہاں لفظ کو مطابق رسم کے تلفظ کیا تو بڑی بھاری غلطی ہو جائے گی مثلاً (رحمٰن) بے الف کے لکھا جاتا ہے اور (بایید) سورۂ ذاریات میں وو(ی) سے لکھا جاتا ہے اور (لَا اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ) (لَا اَوْضَعُوْا لَا اَذْبَحَنَّہٗ لَا اَنْتُمْ) ان چار[3] جگہوں میں لام تاکید کا ہے اور لکھنے میں لام

---

[1] مثلاً وقف بالروم وقف بالاشمام ۱۲ [2] مثلاً وقف حسن یا احسن یا قبیح اور اقبح اور لازم وغیرہ ۱۲
[3] یہ کلمہ اور سورۂ صافات میں لا الی الجحیم ان دونوں کا رسم خط بعض مصاحف میں الف کی زیادتی کے ساتھ ہے اور بعض میں بلا الف ہے اور لا اوضعوا سورۂ توبہ میں اجلہ اہل رسم کے نزدیک بالالف ہے اور کلمہ لاذبحن جو سورۂ نمل میں ہے بالاتفاق جمیع اہل رسم بالالف ہے لیکن کلمہ لا انتم جو سورۂ حشر میں اس میں الف کی زیادتی کسی معتبر طریقہ سے ثابت نہیں صرف کتاب مورد الظمآن میں بالالف بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کلمہ میں الف کی زیادتی ضعیف درجہ میں ہے علامہ دانی نے اپنی کتاب مقنع میں اور علامہ شاطبی نے بھی اپنی کتاب رائیہ میں اس کلمہ کو نہیں بیان کیا۔ کما قال الشاطبی۔ وزاد اللام لفظ الفا۔ لا اوضعوا جلہم واجمعوا زمن لاذبحن وعن خلف معا لا الی۔ رائیہ مطبوعہ مصر ص۲۰۵ اب بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے کلمہ لا انتم کو باوجود اس کے ضعف کے بیان فرمایا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس موقعہ پر مؤلف کو چند ایسی مثالیں دینا مقصود تھا جن کا رسم خط بالالف ہو اور تلفظ بدون الف کے (بقیہ ص۶۰ پر)

الف ہے ان جگہوں میں مطابقت رسم سے لفظ مہمل اور مثبت منفی ہو جاتا ہے اور یہ رسم توقیفی اور سماعی ہے اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں اس واسطے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس وقت قرآن شریف نازل ہوتا تھا اسی وقت لکھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضؓ کے پاس متفرق طور سے لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں اکٹھا ایک جگہ جمع کیا گیا تھا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں نہایت ہی اہتمام اور اجماع صحابہ سے متعدد قرآن شریف لکھوا کر جا بجا بھیجے گئے جمع اول اور جمع ثانی میں اتنا فرق ہے کہ پہلی دفعہ میں جمع غیر مرتب تھا اور جمع ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، کے سپرد کیا کیونکہ یہ کاتب الوحی تھے۔ اور عُرضۂ اخیرہ کے مشاہد اور اسی عُرضہ کے موافق جناب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سُنایا تھا۔ اور باوجود سارے کلام مجید مع سبعہ اَحرف کے حافظ ہونے کے پھر بھی یہ احتیاط اور اہتمام تھا کہ تمام صحابۂ کرام کو حکم تھا کہ جو کچھ جس کے پاس قرآن شریف لکھا ہوا ہو وہ لاکر پیش کریں اور کم از کم دو۔ دو گواہ بھی ساتھ رکھتا ہو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ لکھا گیا ہے اور جیسا کہ صحابۂ کرام رضؓ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا ویسا ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے لکھوایا بلکہ بعض ائمہ اہل رسم اس کے قائل ہیں کہ یہ رسم عثمانی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور اِملاء سے ثابت ہوئی ہے اس طرح پر یہ قرآن شریف باجماعِ صحابۂ کرام اس رسمِ خاص پر غیر مُعرَب غیر منقط لکھا گیا۔

(بقیہ حاشیہ ص۵۹) اس سلسلہ میں جو کلمات ذہن میں آگئے وہ بیان کر دیئے قطع نظر اس کے کہ کس کلمہ میں الف کی زیادتی راجح اور قوی ہے اور کس میں ضعیف ہے۔

بعض مصاحف میں کلمہ لا نفضوا من حولك (آل عمران) الف کی زیادتی کے ساتھ ہے جو بالکل بے اصل ہے۔ کتب معتبرہ رسم خط میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ۱۲

اس کے بعد قرن ثانی میں آسانی کی غرض سے اعراب اور نقطے بھی حروف میں دیئے گئے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ رسم توقیفی ہے ورنہ جس طرح ائمہ دین نے اعراب اور نقطے آسانی کے لئے دیئے ہیں ایسا ہی رسم غیر مطابق کو مطابق کر دیتے اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جمیع صحابہ اس غیر مطابق اور زوائد کو دیکھتے اور پھر اس کی اصلاح نہ فرماتے خاص کر قرآن شریف میں اسی واسطے جمیع خلفاء اور صحابہ اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ وغیرہم نے اس رسم کو تسلیم کیا ہے اور اس کے خلاف کو خلاف جائز کی جگہ پر جائز نہیں رکھا اور بعض اہل کشف نے اس رسم خاص میں بڑے بڑے اسرار بیان کئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رسم بمنزلہ حروف مقطعات اور آیات متشابہات کے ہے (وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا) اور چوتھے علم قرارت ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے اختلاف الفاظ وحی کے معلوم ہوتے ہیں اور قرارت دو قسم پر ہے ایک تو وہ قرارت ہے جس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس کی قرآنیت کا اعتقاد کرنا ضروری اور لازمی ہے اور انکار استہزاء گناہ اور کفر ہے۔ اور یہ وہ قرارت ہے جو قرارِ عشرہ سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت ہوتی ہے اور جو قرارت ان سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت نہیں ہوئیں یا ان کے ماسوا سے مروی ہیں وہ سب شاذہ ہیں اور شاذہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا قرآنیت کے اعتقاد سے یا اس طرح کہ سامع کو قرآن شریف پڑھے جانے کا وہم ہو حرام اور ناجائز ہے۔ آج کل یہ بلا بہت ہو رہی ہے کہ کوئی قرارت متواترہ پڑھے تو مسخرہ پن کرتے ہیں اور ٹیڑھی بانکی قرارت سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض حفاظ قاری صاحب بننے کو تفسیر وغیرہ دیکھ کر اختلاف قرارت سے پڑھنے لگتے ہیں۔ اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ کونسی قرارت ہے آیا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں اور شاذ ہے یا متواتر۔ دونوں حضرات کا حکم ماسبق سے معلوم ہو چکا کہ کس درجہ برا کرتے ہیں۔

دوسری فصل

قرآن شریف کو الحان[1] اور انغام[2] کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے بعض حرام بعض مکروہ بعض مباح بعض مستحب کہتے ہیں پھر اطلاق اور تقیید میں بھی اختلاف ہے مگر قول محقق اور معتبر یہ ہے کہ اگر قواعد موسیقیہ کے لحاظ سے قواعد تجوید کے بگڑ جائیں تب تو مکروہ یا حرام ہے ورنہ مباح ہے یا مستحب اور مطلقاً تحسینِ صوت سے پڑھنا مع رعایت قواعد تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے جیسا کہ اہلِ عرب عموماً خوش آوازی سے اور بلا تکلف بلا رعایت قواعد موسیقیہ کے ذرہ بھر واقف نہیں ہوتے اور نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھتے ہیں اور یہ خوش آوازی ان کی طبعی اور جبلی ہے اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے۔ بخلاف انغام کے کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ نظم اور لہجہ میں کیا فرق ہے طرز طبعی کو لہجہ کہتے ہیں بخلاف نغم کے۔ اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ انغام کسے کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ تحسینِ صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں ان کا لحاظ کر کے پڑھنا یعنی کہیں گھٹانا کہیں بڑھانا کہیں جلدی کرنا کہیں نہ کرنا کہیں آواز کو پست کرنا کہیں بلند کرنا کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا کسی کو نرمی سے کہیں رونے کی سی آواز نکالنا۔ کہیں کچھ جو جانتا ہو وہ بیان کرے البتہ جو بڑے بڑے اس فن کے ماہر ہیں ان کے یہ قول سُنے گئے ہیں کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی ضرور ضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائے گا خصوصاً جب انسان ذوق شوق میں کوئی چیز پڑھے گا باوجودیکہ وہ کچھ بھی اس فن سے واقف نہ ہو مگر کوئی نہ کوئی نغم سرزد ہوگا۔ اسی واسطے بعض محتاط لوگوں نے

---

[1] بمعنی لہجہ طبعی [2] راگنیاں

اس طرح پڑھنا شروع کیا ہے کہ تحسین صوت کا ذرہ بھر بھی نام نہ آوے کیونکہ تحسین صوت کو لازم ہے نغم اور اس سے احتیاط ہے اور یہی بعض اہل احتیاط اہل عرب کو کہتے ہیں کہ وہ لوگ تو گا کے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں اور نہ اس سے مفر ہے۔ خلاصہ اور ماحصل ہمارا یہ ہے کہ قرآن شریف کو تجوید سے پڑھنا اور فی الجملہ خوش آوازی سے پڑھے اور قواعد موسیقیہ کا خیال نہ کرے کہ موافق ہے یا مخالف اور صحت حروف اور معانی کا خیال کرے اور معنی اگر نہ جانتا ہو تو اتنا ہی خیال کافی ہے کہ مالک الملک عزّ وجل کے کلام کو پڑھ رہا ہوں اور وہ سُن رہا ہے اور پڑھنے کے آداب مشہور ہیں۔

اَلّفَہٗ عَبْدُ الرَّحْمٰن بن محمّد بشیر خاں
عَفَا اللّٰہ عنہ وعن وَالدَیہ

تَمَّتِ الکتَابُ

اِقْرَءُوا القُرْاٰنَ بِلحُونِ العَرَبْ

ترجمہ۔ تم قرآن پڑھو عرب کی آوازوں میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

فوائدِ مکیہ

معہ

تعلیقاتِ مالکیہ

از

حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب علیگڑھی رح

ضمیمہ فوائدِ مکیّہ

بابُ التّکبیر

ختم القرآن کے وقت سورۂ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا استحباباً علیٰ وجہ التخییر بنا بر ذکر جلیل اور مسنون ہونے کے جمیع قرائے مکہ کا معمول ہے اگرچہ حدیثِ تکبیر مرفوعاً متسلسل بالامر صرف احمد بزی راوی ابن کثیر ہی سے بلا اختلاف ہے لیکن بسبب مسنون ہونے کے قولاً وفعلاً تمام قراء کے لئے مشائخ نے تکبیر کو پسند کیا ہے جیسا کہ کتاب غیث النفع فی القراءات السبع مطبوعہ مصر ص۲۸۷ میں ہے۔ وقد اتفقت الحفّاظ الذہبی وغیرہ بان حدیث التکبیر لم یرفعہ الی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم الا البزّی فروینا عنہ باسانید متعددۃ انہ قال سمعت عکرمۃ ابن سلیمان یقول قرات علیٰ اسماعیل بن عبد اللہ المکی فلمّا بلغت والضحیٰ قال لی کبّر عند خاتمۃ کل سورۃ حتیٰ تختم واخبرہ انہ قرأ علیٰ مجاھد فامرہ بذٰلك واخبرہ مجاھد ان ابن عباس امرہ بذٰلك واخبرہ ابن عباس ان اُبَیّ ابن کعب امرہ بذٰلك واخبرہ اُبَیّ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم امرہ بذٰلك ورواہ ابو عبد اللہ الحاکم فی مستدرکہ علی الصحیحین عن ابن یحییٰ محمّد بن عبد اللہ بن یزید الامام بمکۃ عن محمّد بن علی ابن زید الصائغ عن البزّی وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجہ البخاری ولا مسلم واما غیر البزی فانما رووہ موقوفاً عن ابن عباس ومجاھد انتھیٰ۔ ترجمہ:۔ یعنی بیشک حافظ ذہبی وغیرہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حدیثِ تکبیر بزی کے سوا اور کسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے پس روایت کرتے ہیں ہم بزی سے متعدد

سندوں کے ساتھ کہا بزی نے کہ سنا میں نے عکرمہ بن سلیمان سے کہتے ہیں وہ کہ پڑھا میں نے اسمٰعیل بن عبداللہ مکی سے جب میں سورۃ والضحیٰ پر پہنچا تو کہا مجھ سے کہ تکبیر کہو ہر سورۃ کے ختم پر قرآن کے ختم تک کیونکہ میں نے پڑھا عبداللہ ابن کثیر سے پس جب پہنچا میں سورۃ والضحیٰ پر تو عبداللہ ابن کثیر نے کہا کہ تکبیر کہو ہر سورت کے ختم پر قرآن کے ختم تک اور عبداللہ ابن کثیر نے بتلایا کہ پڑھا انھوں نے مجاہد سے پس مجاہد نے تکبیر کا حکم کیا اور مجاہد نے بتلایا کہ ابن عباس نے مجھے اس کا امر کیا اور ابن عباس نے خبر دی کہ اُبی بن کعب نے اس کا حکم کیا اور اُبی بن کعب نے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کا حکم فرمایا روایت کیا اس کو ابوعبداللہ حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں۔ اور بزی کے علاوہ اور جن لوگوں سے تکبیر کی روایت ہے وہ ابن عباس اور مجاہد تک موقوف ہے۔

اور تکبیر کا سبب بعض کے نزدیک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مدت کے لئے وحی کا انقطاع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے منافقوں نے طعناً کہنا شروع کردیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ربّ نے چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا۔ جب بعد انتظار کے والضحیٰ نازل ہوئی تو آپ نے ختم سورۃ پر بطور شکر کے اللہ اکبر فرمایا اور بقولِ بعض تکبیر کا سبب یہ ہے کہ سورۃ والضحیٰ کے نزول کے وقت جبریل امین اپنی اصلی صورت میں آئے تھے اس سے متأثر ہوکر آپ نے اللہ اکبر فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض ایسی خاص نعمتوں کا تذکرہ اور وعدہ کیا گیا ہے جو نہایت مہتم بالشان ہیں بالخصوص آیۃ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ اس آیت میں ایسی عطا اور ایسی نعمت کا وعدہ ہے جو سب نعمتوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کا سبب اور موجب صد مسرت وخوشی ہے۔ ان نعمتوں کے شکریہ میں فرطِ مسرت سے آپ نے ختم سورۃ پر اللہ اکبر فرمایا۔ اسی طرح تاخیر وحی کے اسباب میں بھی مختلف اور متعدد اقوال ہیں جن کی تفصیل کتب مطولہ میں موجود ہے یہاں اختصاراً اتنا ہی کافی سمجھا۔

اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کی قراءۃ کے آخر میں اور اپنی قرأت سے پہلے تکبیر فرمائی اس وجہ سے تکبیر کا تعلق آخر سورۃ اور اوّل سورۃ دونوں

کے ساتھ محتمل ہے۔ اس وجہ سے ایک جماعت قراء کی اس طرف ہے کہ ابتدا تکبیر کی آخر ضحیٰ سے ہے اور انتہا آخر ناس پر ہے اور کچھ لوگوں نے اوّل الم نشرح سے اور کچھ لوگوں نے اوّل ضحیٰ سے تکبیر کی ابتدا مانی ہے۔ اسی طرح انتہا تکبیر کی بقول بعض اوّل ناس اور بقول بعض آخر ناس پر ہے۔

اور بطریق ابن حباب تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر بھی تکبیر کے ساتھ زیادہ کیا گیا ہے۔

اور ابو طاہر عبدالواحد اور ابن صباح وغیرہ کے طریق سے تحمید وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ کی زیادتی بھی تکبیر کے آخر میں ثابت ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ وَ اللہ اکبر و لِلّٰہِ الحمد تہلیل کا اضافہ بدون تحمید کے درست ہے لیکن صرف تحمید کی زیادتی بغیر تہلیل کے جائز نہیں پس تکبیر اور بسملہ کے وصل اور فصل کے اعتبار سے ضربی وجہیں آٹھ نکلتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) سورۂ اولیٰ کی آخر آیت سے تکبیر کا فصل اور بسملہ سے تکبیر کا وصل اور بسملہ کا وصل سورۃ ثانیہ سے مثلاً وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ و اللہ اکبر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح۔

(۲) سورۃ اوّل کی آخیر آیۃ پر وقف اور تکبیر کا وصل بسملہ سے اور بسملہ کا فصل سورۂ ثانیہ سے مثلاً فَحَدِّثْ۔ اللہ اکبر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح یہ دونوں وجہیں اس کا احتمال رکھتی ہیں کہ تکبیر شروع سورۃ کے لئے ہے۔

(۳) سورۂ اُولیٰ کی آخیر آیۃ سے تکبیر کا وصل اور تکبیر کا بسملہ سے فصل بسملہ کا وصل سورۂ ثانیہ سے مثلاً فَحَدِّثْ اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح

(۴) سورۂ اُولیٰ کی آخیر آیۃ سے تکبیر کا وصل اور تکبیر کا بسم اللہ سے فصل اور بسملہ کا فصل سورۂ ثانیہ سے مثلاً فَحَدِّثْ اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الم نشرح۔ یہ دونوں وجہیں اس تقدیر پر ہیں کہ تکبیر کا تعلق آخر سورۃ سے ہے۔

(۵) سورۂ اُولیٰ کا وصل تکبیر سے اور تکبیر کا وصل بسملہ سے اور بسملہ کا وصل سورۂ ثانیہ سے مثلاً فَحَدِّثْ اللہ اکبر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح۔

(۶) قطع سورۂ اُولیٰ کا تکبیر سے اور تکبیر کا قطع بسملہ سے اور وصل بسملہ کا سورۂ

ثانیہ سے مثلاً فحدّث ۔ اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح
(۷) سورۃ اُولیٰ کا قطع تکبیر سے اور تکبیر کا قطع بسملہ سے اور بسملہ کا قطع سورۃِ ثانیہ سے مثلاً فحدّث ۔ اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الم نشرح ۔
ان تین وجہوں یعنی نمبر ۵ لغایۃ نمبر ۷ میں تکبیر کے تعلق کا دونوں سورتوں کے ساتھ احتمال ہو سکتا ہے ۔
(۸) سورۃِ اُولیٰ کا وصل تکبیر سے اور تکبیر کا وصل بسملہ سے اور بسملہ کا فصل سورۃِ ثانیہ سے مثلاً فحدّثِ اللہ اکبر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الم نشرح ۔
یہ آٹھویں وجہ ناجائز ہے اس وجہ سے کہ اس میں بسم اللہ کا تعلق سورۃِ اُولیٰ کے ساتھ معلوم ہوگا۔ سورۂ والضحیٰ سے سورۂ ناس تک جن سورتوں کے آخر میں حرف ساکن ہے تو نمبر ۳ لغایۃ نمبر ۵ ان تین وجہوں میں اس ساکن حرف کو کسرہ دے کر لام اسم الجلالہ سے ملا کر پڑھیں گے ۔ اور ہمزۂ وصلی بوجہ درج کلام گرا دیا جائے گا مثلاً فحدّثِ اللہ اکبر۔ فارغبِ اللہ اکبر۔ کفوًا احد۔ اللہ اکبر۔ توابا۔ اللہ اکبر۔ اور اگر سورۃ کے آخر میں متحرک حرف ہے تو اس کو اسی حرکت کے ساتھ تکبیر کے اسم الجلالہ میں ملا دیا جائے گا مثلاً باحکم الحاکمینَ اللہ اکبر۔
لیکن اگر اخیر حرف ہائے ضمیر موصولہ ہے تو اس کا صلہ حذف کیا جائے گا۔ مثلاً لمن خشی ربہ اللہ اکبر۔ شرًّا یرہٗ اللہ اکبر۔
اور اگر بقول بعض تہلیل اور تحمید بھی تکبیر کے ساتھ زیادہ کی جائے تو پھر سورۃِ اُولیٰ کا اخیر حرف اگر تنوین ہے تو تنوین کا ادغام لام نافیہ میں کر دیا جائے گا۔ مثلاً کفوًا احد لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد باقی صورتوں میں ساکن ساکن رہے گا اور متحرک متحرک کوئی تغیر نہ ہوگا۔ اور ہائے ضمیر کا صلہ بھی بدستور باقی رہے گا۔
اور چونکہ آخر سورۂ لیل پر کسی کے نزدیک تکبیر نہیں اس لئے درمیان سورۂ لیل اور سورۂ ضحیٰ کے صرف پانچ وجہیں جائز ہوں گی اور دو وجہیں نمبر ۳ - ۴ جن میں آخر سورۃ کے لئے تکبیر کا احتمال ہے ناجائز ہوں گی۔ اسی طرح درمیان سورۃ الناس اور سورۃ فاتحہ بھی پانچ وجہیں ہوں گی اور دو وجہیں نمبر ۱ - اور نمبر ۲ ناجائز ہونگی کیونکہ یہ دونوں اوّل سورۃ کے ساتھ مختص ہیں اور اوّل فاتحہ میں کسی کے قول سے

تکبیر ثابت نہیں۔

علامہ شاطبی نے جو آخر لیل کہا ہے اس سے بھی اوّل والضحیٰ ہی مراد ہے جیسا کہ سراج القاری شرح شاطبیہ ص۳۰۱ میں ہے وبعض اھل الاداء وصل التکبیر باٰخر سورۃ واللیل یعنی من اوّل سورۃ والضحیٰ۔ تہلیل کے اوّل چونکہ منفصل ہے تو جن کی روایت میں صرف قصر ہے ان کے لئے توسط بھی کر سکتے ہیں مبالغۃً للنفی۔

اگر تکبیر والی سورتوں میں سے کسی سورۃ پر قطع قراۃ کا ارادہ ہو تو آخر سورۃ پر بھی تکبیر کہے۔ اور اگر پھر اگلی سورۃ سے ابتدا کرے تو صرف استعاذہ اور بسملہ پڑھے تکبیر نہ کہے۔ بشرطیکہ آخر سورۃ کے احتمال پر تکبیر کہی ہو ورنہ اگر اوائل سورۃ کے احتمال پر تکبیر کہی ہے تو قطع قرارت کے وقت آخر سورۃ پر تکبیر نہ کہے اور اگر پھر اگلی سورۃ کی ابتدا کرے تو درمیان استعاذہ اور بسملہ کے تکبیر کہے۔

الحال المرتحل

یعنی ایک قرآن مجید کو ختم کرنے کے بعد ہی دوسرا قرآن مجید بلا فصل شروع کر دینا۔

کتاب غیث النفع فی القراءات السبع مطبوعہ مصر ص۳۰۳ میں ہے۔

فقد روی عن المکی من طریق درباس مولیٰ ابن عباس عن عبد اللہ بن عباس عن اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قرأ قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الیٰ واولئک ھم المفلحون ثم دعا ثم قام وروی مسنداً و مرسلاً ان رجلاً قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ تعالیٰ قال الحال المرتحل وھو علیٰ حذف مضاف ای عمل الحال۔ وروی مسنداً ومفسراً عن ابن عباس رضی اللہ عنہما بلفظ ان رجلاً قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال علیک بالحال المرتحل قال وما الحال المرتحل قال صاحب القرآن کلما حل

ارتحل ای کلما فرغ من ختمة شرع فی اخری شبه بمسافر اذا فرغ من سفرہ وحل منزلہ شمارتحل بسرعة لسفر اخر۔ (ترجمہ) اور بیشک روایت کیا گیا عبداللہ ابن کثیر مکی سے بطریق درباس جو کہ مولیٰ ہیں ابن عباس کے (غلام آزاد شدہ) عبداللہ ابن عباس سے اور وہ روایت کرتے ہیں اُبی بن کعب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ ناس پڑھ کر قرآن ختم کرتے تو پھر فاتحہ اور سورۂ بقر سے مفلحون تک افتتاحاً پڑھتے پھر دعا مانگ کر کھڑے ہو جاتے اور مسند اور مرسل طریقہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل محبوب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ حال مرتحل یعنی عمل حال مرتحل اور مسند اور مفسر طریق پر روایت کیا گیا ہے ابن عباسؓ سے کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا لازم ہے تجھ پر حال مرتحل۔ اس شخص نے کہا کہ حال مرتحل کیا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھنے والا جب ایک قرآن ختم کردے تو دوسرا قرآن شروع کرے اس کی مثال اس مسافر کی سی ہے جس نے اپنے سفر کو ختم کرنے اور اپنی جائے قیام میں اترنے اور اپنے پہونچنے کے بعد ہی دوسرے سفر کی تیاری کی اور روانہ ہوگیا۔ اور کتاب اتحاف فی القرأت الاربعة عشر مطبوعہ مصر ص۲۷۹ میں ہے واصل ھذا الحدیث فی جامع الترمذی من حدیث صالح المزی عن قتادة عن زرارة عن ابن عباس قیل یارسول اللہ ای العمل احب الی اللہ تعالیٰ قال الحال المرتحل۔

ورواہ ابوالحسن بن غلبون وزاد فیہ یارسول اللہ ما الحال المرتحل قال فتح القرآن وختمہ صاحب القرآن یضرب من اولہ الی آخرہ ومن آخرہ الیٰ اولہ کلما حل ارتحل الخ۔

ترجمہ:۔ اور اس حدیث کی اصل جامع ترمذی میں صالح مزی کی حدیث ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں صالح مزی کی حدیث ہے۔ کہ وہ روایت کرتے ہیں قتادہ سے اور قتادہ زرارہ سے اور زرارہ ابن عباس سے کہا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا عمل اللہ کو محبوب ہے؟ تو فرمایا کہ حال مرتحل۔ اور اسی کو ابوالحسن بن غلبون

نے اتنی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ حال مرتحل کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ صاحب قرآن کا قرآن کو شروع کرنا اور ختم کرنا اور پڑھنا اوّل سے آخر تک اور آخر سے اوّل تک۔ خلاصہ ان عبارتوں کا جو اوپر بیان ہوئیں یہ ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ہی فوراً اسی جلسہ میں بدون قطع قراءت کے دوسرا قرآن مجید شروع کر دیا جائے یعنی سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھ لی جائیں۔ اس کو احب الاعمال اور افضل الاعمال کہا گیا ہے اور یہ بھی بر سبیل استحباب ہے واجب نہیں اور اس پر عمل کرنا افضل اور بہتر ہے۔

تکرار سورۂ اخلاص فی التراویح

آج کل ہندوستان و پاکستان وغیرہ کے اکثر شہروں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر سورۂ اخلاص تین بار پڑھی جاتی ہے حالانکہ تجوید و قرأۃ کی معتبر کتابوں سے اس کا ترک ہی بہتر اور اَولیٰ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اتحاف مطبوعہ مصر ص ۲۷۹ میں ہے۔

واما ما اعتید من تکرار سورۃ اخلاص ثلاث مرات فقال فی النشر انہ لم یقرأ بہ ولا نعلم احدا نص علیہ من القراء والفقہاء سوی ابی الفخر حامد بن علی بن حسنویہ القزوینی فی کتاب حلیۃ القراء فانہ قال فیہ القراء کلھم قرؤا سورۃ الاخلاص مرۃ واحدۃ الا الھروانی بفتح الھاء والراء عن الاعشی فانہ اخذ باعادتھا ثلاثا والمأثور مرۃ واحدۃ قال اعنی صاحب النشر والظاھر ان ذلک کان اختیارا من الھروانی فان ھذا لم یعرف فی روایت الاعشی ولا ذکرہ احد من علمائنا وقد صار العمل علی ھذا فی کثیر البلاد عند الختم والصواب ما علیہ السلف لئلا یعتقد ان ذلک سنۃ ولھذا نص ائمۃ الحنابلۃ علی انہ لا تکرار سورۃ الصمد قالوا وعنہ یعنون احمد لا یجوز۔ انتھی کلام النشر۔ قیل والحکمۃ فیہ ما اورد انھا تعدل ثلث القرآن

فیحصل به ثواب ختمة فان قیل کان ینبغی ان تقرأ اربعًا لیحصل ختمتان والجواب ان المراد ان یکون علی یقین من حصول ختمة لما التی قرأها اما التی حصل ثوابها بتکریر السورة فهو جبر لما لعله حصل فی القرآن من خلل۔ انتهیٰ۔

ترجمہ:۔ لیکن وہ جو سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے تو اس کے متعلق نشر میں کہا ہے کہ ایسا پڑھا نہیں گیا اور نہ کسی قاری یا فقیہ نے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس کی تصریح کی۔ بجز ابوالفخر حامد بن علی حسنویہ قزوینی کے کہ انھوں نے کتاب حلیۃ القراء میں کہا ہے کہ تمام قاریوں نے سورۂ اخلاص کو ایک ہی مرتبہ پڑھا ہے سوائے ہروانی کے کہ اس نے بروایت اعشی تین مرتبہ پڑھنے کو اخذ کیا ہے حالانکہ منقول ایک ہی مرتبہ ہے صاحب نشر نے کہا ہے ظاہر ہے کہ یہ طریقہ صرف ہروانی کا پسند کیا ہوا ہے اس لئے کہ یہ اعشی کی روایت میں معروف نہیں ہوا اور نہ ہمارے علماء میں سے کسی نے اس کو ذکر کیا۔ اور بہت سے شہروں میں ختم قرآن کے وقت اس پر عمل جاری ہے۔ مگر درست وہ ہے جس پر سلف کا عمل ہے تاکہ اس کے سُنّت ہونے کا اعتقاد نہ ہوجائے۔ اور اسی لئے ائمہ حنابلہ نے نص کردیا ہے کہ سورۂ اخلاص مکرّر نہ پڑھی جائے۔ انھوں نے کہا کہ امام احمد سے روایت ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ نشر کا کلام ختم ہوا۔ بعضوں نے کہا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ سورۃ ایک ثلث قرآن کے برابر ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے اور اس سے ایک ختم کا ثواب مل جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ پھر مناسب ہے کہ چار مرتبہ پڑھی جائے تاکہ دو ختم کا ثواب ملے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ ایک ختم کا ثواب یقینی ہوجائے۔ جو کچھ پڑھا ہے اور سورت کے مکرّر پڑھنے سے جو ثواب حاصل ہوا ہے وہ اس نقصان کی تلافی ہے جو شاید قرأتِ قرآن میں کوئی خلل ہوگیا ہو۔ انتہیٰ۔

پس مرقومہ بالا عبارت سے صاف واضح ہوگیا کہ تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کا ایک ہی بار پڑھنا بہتر اور اولیٰ ہے تاکہ یہ شبہ نہ ہوسکے کہ تین بار پڑھنا سُنّت ہے۔ واللہ اعلم

ھدایۃ العباد الیٰ حقیقۃ النطق بالضّاد

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و قرارِ عظام اس مسئلہ میں کہ حرف ضاد کا صحیح تلفظ کیا ہے اور اس کی ادائیگی کا معتبر طریقہ کیا ہے؟ اور صحیح ضاد کی آواز میں ظار سے مشابہت پائی جاتی ہے، یا دال مہملہ سے اور بجائے مشابہت بالظار خالص ظار یا خالص دال مہملہ مرققہ یا مفخمہ پڑھی جائے تو کونسی صورت میں نماز فاسد ہوگی اور عوام کے لئے کونسا تلفظ نماز کی صحت کے لئے ضروری یا بہتر اور مناسب ہے اور ضاد کو ظار سے ممتاز ادا کرنا عوام کے لئے محلِّ تکلیف ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب و ھو الموفق للحق والصّواب

جواب سے پہلے تمہیداً اوّل چند باتیں ضروری سمجھ لینا چاہئیں تاکہ جواب کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہو جائے۔

(۱) اہلِ فن حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کسی دو حرفوں میں تشابہ کا سبب اشتراکِ مخرج ہوا کرتا ہے یا اشتراکِ صفات پس جو حرف کسی حرف سے ذاتاً و صفتاً جتنا متحد ہوگا اتنا ہی اس سے قریب اور مشابہ ہوگا۔ پس اس قاعدہ مسلّمہ کے بموجب ضاد کا تقابل حروف مشتبہ الصوت یعنی ظار ذا اور دال مہملہ سے کر کے دیکھنا چاہیئے۔ پس ان چاروں حرفوں میں سے جس حرف کے ساتھ ض اکثر صفات میں متحد اور شریک ہوگا وہی صحیح معنوں میں ضاد کا مشبہ بہ مانا جائے گا۔ نقشۂ ذیل ملاحظہ کرنے کے بعد یہ مسئلہ صاف طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نقشہ

حروف	مخارج	صفات
ض	زبان کا بغلی کنارہ اوپر داڑھوں کی جڑ	جہر۔ رخاوت۔ استعلاء۔ اطباق۔ استطالت
ظ	زبان کی نوک کنارہ ثنایائے علیا	〃 〃 〃 〃 〃
ذ	〃 〃 〃 〃 〃	〃 〃 استفال۔ انفتاح
ز	زبان کی نوک ثنایائے علیا سفلیٰ کا کنارہ مع اتصال ثنایائے سفلی علیا	〃 〃 〃 〃 〃 صفیرہ
د	زبان کی نوک جڑ ثنایائے علیا	〃 شدت 〃 〃 قلقلہ

اس نقشہ سے معلوم ہوگیا کہ ضاد باعتبار مخرج اور استطالت کے ان چاروں حرفوں سے مختلف ہے۔ اب رہیں بقیہ صفات تو دال مہملہ سے فقط صفت جہر میں متحد ہے باقی صفات شدت استفال انفتاح قلقلہ میں مختلف ہے اور ذ ز ان حرفوں کے ساتھ جہر۔ رخاوت دو صفتوں میں شریک ہے بقیہ صفات استفال انفتاح میں مختلف ہے۔ لیکن ظ کے ساتھ جہر رخوت استعلاء اطباق چار صفتوں میں شریک ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ ضاد کو دال مہملہ کے ساتھ بوجہ اتحاد ایک صفت جہر کے نہایت قلیل درجہ کی مشابہت ہے اسی وجہ سے ضاد کا ممتاز ادا کرنا دال مہملہ سے نہایت سہل اور آسان ہے۔ اسی طرح (ز) کے ساتھ بھی معمولی تشابہ ہے اور بوجہ صفت صفیر ضاد کو (ز) سے ممتاز ادا کرنا بھی آسان ہے علیٰ ھٰذا (ذ) کے ساتھ بھی بوجہ اتحاد صفت جہر و رخوت مشابہت ہے لیکن بوجہ اختلاف استعلاء و اطباق ضاد کو ذ سے علیٰحدہ بچا کر ادا کر لینا آسانی سے ممکن ہے اب ضاد کی مشابہت کاملہ کا دارومدار سبب اتحاد اکثر صفات ظاء کے ساتھ رہ جاتا ہے اسی وجہ سے حضرات مجوّدین کے نزدیک ان دونوں حرفوں میں امتیاز عسیر اور مشکل سمجھا گیا ہے اور حضرات علماء فقہاء نے اس کو فصل بالمشقۃ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئندہ کی عبارتوں سے معلوم ہو جائیگا۔

(۲) عام طور پر ایک غلطی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ عوام حرف ظ کو بھی غلط ادا کرتے ہیں

یعنی (زائے) معجمہ یا زائے مخلوط بالواؤ کے تلفظ کو ظ کی ادائیگی سمجھتے ہیں پس نتیجہ یہ نکلا کہ جب مشبہ بہ غلط ہوا تو مشبہ میں صحت مشابہت کا کوئی صحیح معیار نہ رہا۔

(۳) عوام کے لئے ض کا ظ سے ممتاز ادا کرنا اگر محل تکلیف میں ہوتا تو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ سوال پیدا ہونا چاہیئے تھا جبکہ غیر عرب عجمی لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور ان کی زبان میں یہ حرف نہ تھا اور یہ مسلّم ہے کہ اس وقت یہ سوال نہیں پیدا ہوا۔

(۴) بعض لوگ آج کل کے عربوں کے تلفظ مشابہ بالدال مہملہ کو حجت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اختلاطِ عجم کے اثرات سے عوام بلکہ بعض خواص عرب بھی جو کثرت سے مخلوط النسب ہیں متعدد حرفوں کو مثل ث اور ق کے بھی غلط بولنے کے عادی ہوگئے ہیں پس اس صورت میں بقاعدۂ غلط العوام فصیح ان کا غلط تلفظ حجت کے قابل ہے یا نہیں۔

(۵) جس طرح ضاد کا صحیح تلفظ کافی مہارت اور پوری مشق پر موقوف ہے اسی طرح ضاد صحیح کا احساس اور ادراک بھی کافی سماعت پر منحصر ہے۔ اب اس تمہیدی مضمون کے بعد اصل مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ علمائے قرارت و فقہائے اُمت نے اس مسئلہ میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ کتاب النشر مطبوعہ دمشق ج ۱ ص ۲۱۹ والضاد انفرد بالاستطالۃ ولیس فی الحرف ما یعسُرُ علی اللسان مثلہ فان السنۃ الناس فیہ مختلفۃ وقل من یحسنہ فمنہم من یخرجہ ظاء ومنہم من یمزجہ بالدال المھملۃ ومنہم من یجعلہ لاما مفخمۃ ومنہم من یشمہ الزای وکل ذلک لا یجوز انتھیٰ۔

ترجمہ:۔ اور حرف ضاد تنہا اور اکیلا ہے صفت استطالہ میں اور زبان پر کوئی حرف مثل اس کے دشوار نہیں ہے پس لوگوں کی زبانیں اس کی ادائیگی میں مختلف ہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہیں جو اس کو اچھی طرح ادا کرتے ہوں بعض لوگ ایسے ہیں جو ضاد کی جگہ ظ نکالتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ممزوج بدال مہملہ نکالتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس کو لام مفخمہ بنا دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس میں زا کا خلط کر دیتے

ہیں اور یہ سب ناجائز ہیں۔ اور علامہ محمد مکی اپنی کتاب رعایہ باب الضاد ص۳۵ تا ۳۶ مطبوعہ محبوب المطابع دہلی میں فرماتے ہیں الضاد تخرج من مخرج الرابع من مخارج الفم تخرج من اوّل حافۃ اللسان وما یلیہ من الاضراس وھو حرف قوی لانہا مجھور مطبق من حروف الاستعلاء وفیہ استطالۃ ولہ صفات قد تقدم ذکرھا والضاد یشبہ لفظھا بلفظ الظاء لانہا من حروف الاطباق ومن حروف المستعلیۃ ومن الحروف المجھورۃ ولولا اختلاف المخرجین ومافی الضاد من الاستطالۃ لکان لفظھا واحدا ولم یختلفا فی السمع فیجب علی القاری ان یتلفظ بالضاد واذا کان بعدھا الفٌ بالتفخیم البین کما یلفظ بھا اذا یحکی الحروف فیقول صاد ضاد ولا بد لہ من التحفظ بلفظ الضاد حیث وقعت فھو امر یقصر فیہ اکثر من رایت من القراء والائمۃ لصعوبتہ علی من لم یرد ربہ فلا بد للقاری المجود ان یلفظ بالضاد المعجمۃ المفخمۃ مستعلیۃ مطبقۃ مستطیلۃ فیظھر صوت خروج الریح عند ضغط حافۃ اللسان لما یلیہ من الاضراس عند اللفظ بھا ومتی فرّط فی ذلک اتی بلفظ الظاء وبلفظ الذال فیکون مبدلاً ومغیرۃ فالضاد اصعب الحروف تکلفاً فی المخرج واشدھا صعوبۃ علی اللافظ فمتی لم یتکلف القاری اخراجھا علی حقھا اتی بغیر لفظھا واخل بقراتہ ومن تکلف ذلک وتمادی علیہ صار لہ التجوید یلفظھا عادۃ وطبعا وسجیۃ۔ انتھی۔

ترجمہ: ۔ منہ کے مخارج میں چوتھے مخرج یعنی شروع کنارہ زبان اور داڑھوں کی جڑ سے ضاد نکلتا ہے اور وہ قوی حرف ہے کیونکہ وہ مستعلیہ مجہورہ مطبقہ ہے اور اس میں صفت استطالت ہے اور اس کی کچھ صفات پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور ضاد کا تلفظ ظ کے تلفظ سے مشابہ ہے اس لئے کہ ظ مطبقہ مستعلیہ مجہورہ میں سے ہے اگر ضاد اور ظ میں اختلاف مخرج نہ ہوتا اور ض میں صفت استطالت نہ ہوتی تو دونوں کا ایک تلفظ ہوتا اور سماعت میں مختلف نہ ہوتے پس قاری پر ضروری ہے کہ جب ضاد کے بعد الف آجائے تو ضاد کا تلفظ صاف تفخیم کے ساتھ کرے جیسا کہ مفرد حروف کو ادا کرتا ہے پس کہے صاد ضاد اور قاری کے لئے ضروری ہے کہ جہاں

کہیں ضاد آجائے اس کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لے۔ پس یہ ایک ایسا مرحلہ ہے کہ میں نے اکثر قراء اور ائمہ کو اس میں کوتاہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کی اس دشواری کی وجہ سے خصوصاً اس شخص کے لئے جو اس کی مہارت بھی نہیں رکھتا ہے۔ پس قاری مجوّد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ضاد معجمہ کو تفخیم اور استعلاء اور اطباق اور استطالت کے ساتھ ادا کرے ایسی ادائیگی کے وقت جبکہ کنارۂ زبان داڑھوں سے لگے گا تو ایک آواز لطیف ظاہر ہوگی اور جب اس میں تفریط کرے گا تو ضاد کا تلفّظ ظا یا ذ سے بدل جائے گا۔ پس ضاد مخرج کی اہمیت کی وجہ سے مشکل ترین حرفوں میں سے ہے اور ادا کرنے والے کے لئے باعتبار دشواری کے سخت ترین ہے۔ پس اگر قاری اس کی ادائیگی میں کما حقہٗ اہتمام نہ کرے گا تو اس کے خلاف تلفظ کرے گا۔ اور اپنی قراءۃ میں خلل انداز ہوگا اور جو شخص اس کو اہتمام کے ساتھ ادا کرے گا اور کچھ عرصہ تک اس کی مواظبت رکھے گا تو اس کے لئے ضاد کی تجوید آسان اور جبلی ہو جائے گی۔ انتہیٰ۔

اور قول المفید فی علم التجوید مطبوعہ مصر صفحہ ۷۱ تا ۷۲ میں ہے۔

قال ابن الجزری فی التمہید اعلم ان ھذا الحرف لیس فی الحروف حرف یعسر علی اللسان غیرہ فان السنۃ الناس فیہ مختلفۃ وقل من یحسنہ فمنہم من یخرجہ ظاء معجمۃ لانہ یشارک الظاء فی صفاتہا کلہا الا الاستطالۃ فلولا الاستطالۃ واختلاف المخرجین لکانت ظاء وھو اکثر الشامیین وبعض اھل المشرق وھذا لا یجوز فی کلام اللہ تعالیٰ لمخالفتہ المعنی الذی اراد اللہ تعالیٰ اذا قرأ فی الضالین الظالین بالظاء المعجمۃ لکان معناہ الدائمین وھذا اخلاف مراد اللہ تعالیٰ وھو مبطل للصّلوٰۃ لان الضلال بالضاد وھو ضد الھدیٰ کقولہ ضل من تدعون الا ایاہ ولا الضالین ونحوہ والظلال بالظاء ھو الصیرورۃ کقولہ ظل وجھہ مسودًا وشبہہ فمثال الذی یجعل الضاد ظاء فی ھذا شبہ کالذی یبدل السین صادا فی نحو قولہ واسروا النجویٰ او یبدل الصاد سینا فی نحو قولہ واصرّوا واستکبروا فالاوّل من السر والثانی من الاصرار

وقد حکیٰ ابن جنی فی کتابہ التنبیہ وغیرہ ان من العرب من یجعل الضاد ظاء مطلقاً فی جمیع کلامھم وھذا غریب وفیہ توسع للعامۃ ومنھم من لا یوصلھا الیٰ مخرجھا بل یخرجھا دونہ ممزوجۃ بالظاء المھملۃ لا یقدرون علیٰ غیر ذٰلک وھم اکثر المصریین وبعض اھل المغرب ومنھم من یجعلھا دالا مفخمۃ ومنھم من یخرجھا لاماً مفخمۃ وھم الزبالع ومن ضاھاھم لان اللام مشارکۃ لھا فی المخرج لا فی الصفات فھی بعکس الظاء لان الظاء تشارک الضاد فی الصفات لا فی المخرج۔ انتھیٰ۔

ترجمہ:۔ ابن جزری نے تمہید میں کہا ہے کہ جاننا چاہیئے کہ کوئی حرف حروف میں سے زبان پر مشکل اور دشوار نہیں سوائے ضاد کے پس لوگوں کی زبانیں اس میں مختلف ہیں اور کم ایسے لوگ ہیں جو اس کو عمدہ اور اچھا ادا کرتے ہیں پس بعض لوگ ان میں سے ایسے ہیں جو بجائے ضاد کے ظاء نکالتے ہیں۔ اس لئے کہ ضاد جمیع صفات میں ظاء کا شریک ہے سوائے استطالت کے اگر استطالت نہ ہوتی اور دونوں کے مخرج میں اختلاف نہ ہوتا تو ضاد ظاء ہوتا۔ اور وہ لوگ ملک شام کے باشندے اور بعض اہل مشرق ہیں اور یہ اللہ کے کلام میں جائز نہیں ہے بسبب مخالفت اس معنیٰ کے جن کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اگر ہم ضالین کی جگہ ظالین یعنی ظاء معجمہ پڑھیں تو اس کے معنیٰ دائمین یعنی ہمیشہ رہنے والے۔ اور وہ نماز کو باطل کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ ضلال (گمراہی) ہدایت کی ضد ہے مثل قول اللہ تعالیٰ ضل من تدعون الا ایاہ۔ ولا الضالین وغیرہ کے اور ظلال ظ کے ساتھ، اس کے معنیٰ صیرورۃ یعنی ہوجانا کے ہیں مثل اللہ تعالیٰ کے قول ظل وجھہ مسودا اور اس کے مشابہ پس جو شخص کہ اس جگہ اور اس کے مثل میں ضاد کو ظاہر کر دیتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سین کو صاد سے بدل دیتا ہے۔ واسروا النجویٰ میں یا صاد کو سین سے بدلتا ہے واصروا واستکبروا وغیرہ کے موقع میں پس پہلا "سر" سے اور دوسرا "اصرار" سے ہے۔ اور ابن جنی نے اپنی کتاب التنبیہ میں بیان کیا ہے کہ بعض عرب لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی تمام بات چیت میں ضاد کی جگہ ظاء بولتے ہیں اور ایک نادر اور عجیب بات ہے اور اس تغیر ضاد بالظاء میں عوام کے لئے وسعت اور گنجائش ہے اور بعض لوگ

ان میں سے ایسے ہیں جو ضاد کو اس کے پورے مخرج تک نہیں پہونچاتے بلکہ کچھ کمی کے ساتھ طائے مہملہ کے خلط کے ساتھ نکالتے ہیں جو اس کے خلاف نکالنے پر قدرت نہیں رکھتے اور وہ اکثر مصری ہیں۔ اور بعض اہل مغرب اور بعض لوگ ضاد کو دال مفخمہ کر دیتے ہیں اور بعض لوگ لام مفخمہ ادا کرتے ہیں اور وہ زیالعہ ہیں یعنی وہ لوگ جو حبشہ کی طرف رہنے والے ہیں (کذا فی القاموس) اور وہ جو اُن کے مثل ہیں اس لئے کہ لام ضاد کا شریک ہے مخرج میں (علیٰ قول غیر الفراء) صفات میں شریک نہیں۔ بخلاف ظاء کے کہ ظاء ضاد کے صفات میں شریک ہے مخرج میں شریک نہیں۔

مذکورۂ بالا عبارتوں سے ائمۂ تجوید و قراءت کا مسلک ظاہر اور انتہائی واضح ہونے کے بعد چند باتیں معلوم ہوئیں اوّل ضاد کا ظاء سے بوجہ اشتراک اکثر صفات ذاتیہ بمقابلہ ذال زاء منقوطہ اور دال مہملہ کے زیادہ مشابہ ہونا۔ دوم ضاد کا ادا مشکل اور دشوار ہونا۔ سوم بعض جگہ بجائے ضاد کے ظاء پڑھنے سے معنیٰ میں تغیر ہو جانا۔ چہارم عوام کے لئے بوجہ دشواری تلفظ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی وسعت اور گنجائش۔ پنجم ضاد کے صحیح تلفظ کا آسان طریقہ۔ ششم قاری ماہر کے لئے بجائے ضاد کے بقیہ حروف مشتبہ الصوت کا عدم جواز۔ اب اس کے بعد فقہاء و علمائے اُمّت نے جو کچھ اس مسئلہ میں فیصلہ کیا ہے۔

فتح القدیر للعلامۃ الکمال ابن الہمام الحنفی المتوفی سنہ ۸۶۱ھ شرح الہدایۃ مطبوعہ مصر ص ۱۸۱ ج ۱ واما الحروف فاذا وضع حرفاً مکان غیرہ فاما خطاء و اما عجز فالاصول ان لم یغیر المعنی و مثلہ فی القرآن نحو ان المسلمون لا تفسد و ان لم یغیر ولیس مثلہ فی القرآن نحو قیامین بالقسط و التیابین و الحی القیام عندھما لا تفسد وعند ابی یوسف تفسد ان لم یکن مثلہ فی القرآن فلو قرأ الشعیر بشین معجمۃ فسدت اتفاقاً فالعبرۃ فی عدم الفساد عدم تغیر المعنی ای عند الطرفین وعند ابی یوسف وجود المثل فی القرآن فلا یعتبر علی ھذا ما ذکر ابو منصور العراقی من عسر الفصل بین الحرفین وعدمہ فی عدم الفساد ولا ثبوتہ ولا قرب المخرج وعدمہ کما قال ابن مقاتل ای محمد بن مقاتل الرازی وھو من اصحاب الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ (انتہیٰ)

ترجمہ:۔ اور بہرحال حروف اگر ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف پڑھا تو دو حال سے خالی نہیں یا ایسا کرنا غلطی اور سہواً ہو یا بمجبوری مثل عدم قدرت بر تلفظ صحیح وغیرہ پس اس میں اصل یہ ہے کہ اگر معنیٰ نہ بدلے ہوں اور اس کا مثل قرآن مجید میں موجود ہے جیسے ان المسلمون تو سب کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنیٰ نہیں بدلے لیکن اس کا مثل قرآن میں موجود نہیں ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی لیکن امام ابو یوسف رح کے نزدیک فاسد ہوگی پس اگر اصحاب السعیر کی جگہ اصحاب الشعیر شین معجمہ کے ساتھ پڑھا تو سب کے نزدیک فاسد ہوگی۔ کیونکہ معنیٰ بھی بدل گئے۔ اور اس کا مثل بھی قرآن میں نہیں ہے۔ پس طرفین یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عدم فساد نماز میں عدم تغیر معنیٰ کا اعتبار کیا گیا ہے خواہ اس کا مثل قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک عدم تغیر معنیٰ کے ساتھ وجود مثل فی القرآن کا بھی عدم فساد نماز میں اعتبار کیا گیا ہے پس اسی قاعدہ کلیہ کی بناء پر جو کچھ ذکر کیا ہے۔ ابو منصور عراقی نے یعنی عسر الفصل بین الحرفین اور اس کے عدم سے نماز کے فساد و عدم فساد کے متعلق اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ثبوت کا نہ اس کے قرب مخرج اور بعد مخرج کا جیسا کہ کہا ابن مقاتل نے جو کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کے اصحاب سے ہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں معروف بہ خانیہ بر ہامش فتاویٰ ہندیہ معروف بہ عالمگیری مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۳ وان ذکرنا حرفاً مکان حرف وغیر المعنیٰ فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد عند الکل وان لم یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالطاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرھم لا تفسد صلوٰتہ انتھیٰ۔

ترجمہ:۔ اگر ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف پڑھا جس سے معنیٰ بدل گئے پس اگر ان دو حرفوں میں فرق اور امتیاز بغیر مشقت کے آسانی سے ممکن ہو جیسے طاء اور صاد کا فرق مثلاً الصالحات کی جگہ الطالحات پڑھا جاوے تو نماز سب کے نزدیک فاسد ہوگی (کیونکہ ان میں امتیاز آسان ہے) اور اگر دو حرفوں میں فصل کرنا بغیر مشقت کے

ممکن نہ ہو جیسے ظاء ضاد کا فرق اور صاد سین کا اور طاء اور تاء کا فرق تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور فتاویٰ خانیہ ج ۱ ص ۱۳۲ میں ہے۔

او الذالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البلوی فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ کالامام الصفار ومحمد بن سلمہ افتوا بہ انتھیٰ۔ بالذالین ذال یا ظاء کے ساتھ پڑھا گیا تو کہا گیا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی بسبب ابتلائے عام کے کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ اور اکثر مشائخ نے مثلاً امام صفار اور محمد بن سلمہ نے اسی پر فتویٰ دیا۔ اور خلاصۃ الفتاویٰ المعروف بہ خلاصہ للامام المجتہد فی المسائل طاہر بن احمد البخاری الحنفی المتوفی ۵۴۲ھ میں ہے۔

ولو قرأ الضالین بالظاء او الذال او الزاء لا تفسد انتھیٰ۔ اگر الضالین کو ظاء یا ذال یا زاء سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خلاصہ:۔ ائمہ تجوید اور علماء فقہاء کے اقوال مذکورۂ بالا سے صراحۃً اور بطور استنباط کے یہ فیصلہ ہوگیا کہ قاری ماہر ضاد کے صحیح تلفظ کرنے کا ضرور مکلف ہے اور ضاد کے صحیح تلفظ میں ظاء کی مشابہت ہوگی اور عوام مخارج حروف وغیرہ سے واقف نہیں ہوتے لیکن چونکہ ضاد اور ظاء میں امتیاز کرنا مشقت کے درجہ میں ہے۔ اس لئے عموم بلویٰ کے لحاظ سے بجائے ضاد کے ظاء پڑھنے سے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہی مذہب اور مسلک معتدل اور پسندیدہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

ضاد کا دال مہملہ سے فصل اور امتیاز چونکہ آسان ہے اور مشقت کے درجہ میں نہیں ہے اس لئے ضاد کی جگہ دال مہملہ مرققہ یا مفخمہ پڑھنے سے چونکہ فتاویٰ خانیہ میں۔

ولو قرأ الذالین بالدال تفسد صلوٰتہ کا جزئیہ صراحتاً موجود ہے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

اب اس کے آخر میں استفتاء قرار خرمین بھی جو اعلام العباد مطبوعہ اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ ۱۹۳۴ء ملاحظہ ہو۔

استفتاء اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:۔

استفتاء من علماء الحرمين الشريفين

ماقول العلماء والقراء فى اداء الضاد المعجمة القرانية هل هى شبيه فى الصوت والسمع باحد من الظاء المعجمة والدال المهملة والغين لمعجمة ام لا ؟

فان الناس فى ديارنا تفرقوا فى قراءتها على ثلاثة فرق احدها ينطق بها بصوت يكون كصوت الدال المهملة فى السمع فيقولون غير المغدوب اونحوه مكان غير المغضوب وثانيها يقرئها بحيث يسمع الغين والدال كلاهما فى ادائها فيقولون ولغدالين اوشبهه مكان ولا الضالين.

وثالثها يتلفظ بها بصوت يكون شبيها بصوت الظاء المعجمة الصحيحة فى السمع فقراءة اى فرقة من الفرق الثلثة المذكورة موافقة للحق و الصواب بينوا حق اداء الضاد الفصيحة بالتفصيل لعل الله يرفع الخلاف ببيانكم.

الجواب من شيخ القراء بالمدينة المنورة

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده. امابعد. فان المومن اذا قال صدق واذا قيل له صدق واختلاف اهل الفضل بغير دليل قطعى من كتب المحققين زيغ وباطل والجدال بغير حق عاقبته الحسرة والندامة فاقول انا الفقير الى رحمة ربه القدير حسن بن ابراهيم المدرس بالحرم النبوى ان نهاية القول فى الضاد هو انها اقرب الى الظاء فقط كما فى الرعاية وجهد المقل وغيرها فقراءة الفرقة الثالثة المذكورة فى الاستفتاء صحيحة واما كون الضاد شبيهة بالدال او الغين فما سمعنا به قط ولا وجد فى كتاب فمن صلى خلف امام

يعتقد ذلك فضلوتهما باطلة والله على ما نقول وكيل كتبه بيده وقرأ بلسانه حسن بن ابراهيم المدرس بالحرم النبوي بالمدينة المنورة.

راجي عفو ربه القادر
حسن بن ابراهيم الشاعر

الجواب من علماء مكة المكرمة

قل ان الهدى هدى الله. يهدى من يشاء الى صراط مستقيم وما كنا لنهتدى لولا ان هدانا الله فنقول ان الذى استقر عليه رأى جميع اهل الاداء فى كتبهم ان الضاد والظاء اتفقتا فى الاستعلاء والاطباق والتفخيم والجهر والرخاوة واختلفتا فى المخرج والقرب الضاد بالاستطالة فاذا اعطيت للضاد حقها من مخرجها وصفاتها فقد اتيت بالصواب الذى لامحيد عنه عند علماء القراءة المتقنين وحينئذ يكون بها اثر شبه الظاء فى التلفظ كما فى نهاية القول المفيد وغيرها واما كون الضاد قريبة من الدال او الغين فى التلفظ فبعيد عن الحق والله اعلم.

كتبه احمد حامد عبد الرزاق احد القراء
بمدرسة الفلاح بمكة المكرمة
٢٥ ذى القعدة سنة ١٣٥١ هجرية

مدير مدرسة الفلاح
المرحوم محمد طيب

مدرس بمدرسة الفلاح
احد القراء مدرس الفلاح
حامد احمد
مدرس بمدرسة الفلاح

مدرسة الفلاح
اسست سنة ١٣٣٠ هجرية
بمكة المكرمة

المعاون الاول مدرسة الفلاح
ابو بكر بن احمد الجيشى
مدرس بمدرسة الفلاح

والله اعلم

فصل سجدۂ تلاوت کے بیان میں

مذہب احناف میں بلا اختلاف کسی امام از ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ قرآن مجید میں سجدۂ تلاوت چودہ ہیں جو چودہ سورتوں میں ہیں ان میں سے ہر ایک مقام کی آیاتِ متعینہ مخصوصہ کی تلاوت اور سماعت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ کل سجدے واجب ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے اذا قرأ ابن آدم السجدۃ اعتزل الشیطٰن یبکی یقول یا ویلاہ امر ابن آدم بالسجود فسجد فلہ الجنۃ وامرت بالسجود فابیت فلی النار اخرجہ مسلم وغیرہ فی الایمان و یؤیدہ ای الوجوب فی ذم الکفار و اذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون۔ لہٰذا ان سجدوں میں کسی مقام کا سجدہ چھوٹ گیا اور عمر بھر ادا نہ کیا تو تارکِ سجدہ گنہگار ہوگا۔ لیکن بعض خاص حالتوں میں سجدۂ تلاوت نہ تو تالی پر واجب ہوتا ہے اور نہ سامع پر۔ مگر ان میں سے بعض صورتوں میں شیخین امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں ہوتا ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک تالی اور سامع دونوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ ان چودہ سجدوں میں سے پہلا سجدہ سورہ اعراف کی اخیر آیۃ ان الذین عند ربک تا ختم آیۃ یسجدون پر ہے۔ دوسرا سجدہ سورہ رعد میں وللہ یسجد من فی السمٰوٰت تا ختم آیۃ والاصال پر ہے۔ تیسرا سورۂ نحل میں وللہ یسجد ما فی السمٰوٰت سے دوسری آیۃ یخافون ربہم کے ختم و یفعلون ما یومرون پر ہے۔ چوتھا سورۂ بنی اسرائیل میں یخرون للاذقان سجدا تا و یزیدھم خشوعا۔ پانچواں سورۂ مریم میں خروا سجدا و بکیا پر چھٹا سورۂ حج میں الم تر ان اللہ یسجد سے آیت کے ختم ما یشاء پر، مطابق مذہب امام ابو حنیفہؒ۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سورۂ حج کے آخر میں یعنی یا یھا الذین امنوا ارکعوا تا ختم آیۃ تفلحون پر بھی سجدہ ہے اس لئے حنفی کو بھی احتیاطاً اس جگہ سجدہ کر لینا چاہیئے۔ کذا فی عمدۃ الرعایۃ مولانا عبد الحی۔ ساتواں سجدہ سورۂ فرقان میں واذا قیل لھم اسجدوا آیۃ کے ختم تک۔ آٹھواں سورۂ نمل میں اللہ لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم پر بشرطیکہ الا یسجدوا میں الا کو مشدد پڑھا

جائے جیسا کہ اکثر قرأت ہے اور اگر الا کو مشدّد نہ پڑھا جائے تو پھر کسائی کی قرأت کے موافق ویعلم ما تخفون وما تعلنون پر ہے۔ نواں[۹] سورۂ الٓمٓ السجدۃ میں انما یؤمن بآیٰتنا الذین تا ختم آیۃ۔ دسواں[۱۰] سورۂ ص تا وحسن مآب۔ گیارہواں[۱۱] سورۂ النجم میں واعبد ربک۔ بارہواں[۱۲] سورۂ حٰمٓ سجدہ میں لا یسئمون تک مطابق مذہب ابو حنیفہؒ۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے پہلی آیۃ ان کنتم ایاہ تعبدون پر۔ تیرہواں[۱۳] سورۂ انشقاق میں اذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون پر۔ چودھواں[۱۴] سورۂ علق میں واسجد واقترب پر۔

سجدۂ تلاوت کے متعلق فقہی مسائل

سجدہ کی آیات پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے خواہ سننے کے قصد سے بیٹھے یا بغیر قصد سننے۔ اس لئے چاہیئے کہ آہستہ پڑھے تاکہ سننے والے پر واجب نہ ہو۔ آیۃ سجدہ تلاوت کی خواہ پوری آیۃ یا صرف اس لفظ کی جس میں سجدہ ہے۔ اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملائے اور خواہ آیۃ سجدہ کی بعینہٖ تلاوت کی جائے یا اس کا ترجمہ کسی اور زبان میں اور خواہ تلاوت کرنے والا خواہ اپنی تلاوت کو سنے یا نہ سنے مثلاً کوئی بہرا تلاوت کرے تو پڑھنے والے پر ان سب صورتوں میں سجدہ واجب ہوگا (شامی) بشرطیکہ تالی بحالتِ نماز کسی دوسرے کا مقتدی نہ ہو۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۴۲

آیۃ سجدہ تلاوت کرنے والا اگر انسان ہے تب سامع پر سجدہ واجب ہوگا خواہ پوری آیۃ سنے یا صرف لفظ سجدہ سے ایک لفظ ماقبل یا مابعد۔ اور خواہ عربی زبان میں سنے یا کسی اور زبان میں اور سامع خواہ جانتا ہو کہ یہ آیۃ سجدہ ہے یا نہ جانتا ہو۔ لیکن نہ جاننے کی صورت میں ادائے سجدہ میں جو تاخیر ہوگی اس میں وہ معذور سمجھا جائیگا۔ کسی جانور مثل طوطے وغیرہ سے آیت سجدہ سنے تو سجدہ واجب نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے سجدۂ تلاوت انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے۔ ادا یا قضا حیض ونفاس والی عورت پر اور نابالغ پر اُس مجنون پر واجب نہیں جس کی مدتِ جنون ایک دن رات سے زیادہ ہو خواہ اس کے بعد جنون زائل ہوا نہ ہو۔ اگر جنون ایک دن رات کامل رہا ہو یا کچھ کم تو پھر سجدہ واجب ہے خواہ وہ تالی ہو یا سامع۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت واجب ہے مست اور جنبی پر بھی آیتِ سجدہ کی تلاوت یا سماعت کے وقت اگر وضو نہ ہو تو پھر

جس وقت وضو ہو سجدہ ادا کر لیا جائے تاخیر مکروہ ہے۔

نماز کی حالت میں اگر آیۃ سجدہ تلاوت کی تو اسی وقت سجدہ میں جائے پھر باقی قرأت پڑھ کر رکوع کرے۔ اگر فوراً سجدہ نہ کیا بلکہ آیۃ سجدہ کے بعد اور دو تین آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو بھی درست ہے لیکن تاخیر نہ کرنا بہتر ہے۔

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور خارج نماز سجدہ کیا تو ادا نہ ہوگا۔ اگر آیت سجدہ پڑھتے ہی فوراً رکوع کر دیا اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی جب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر نماز باجماعت کی حالت میں ہو تو امام اور مقتدی میں سے ہر ایک کو مستقلاً نیت ادائے سجدۂ تلاوت رکوع میں کرنا پڑے گی پس بحالت مذکورہ امام کو چاہیئے کہ مقتدیوں کو نماز شروع کرنے سے پہلے اطلاع دیدے۔ مگر بہتر اور افضل باجماع یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت بہ ہیئت سجدہ نماز ہی ادا کیا جائے۔ ورنہ اس طریقہ سجدہ فی الرکوع کے اصرار اور زیادہ رواج سے اصل طریقہ سجدہ فی ہیئت نماز کے مفقود اور متروک ہو جانے کا احتمال ہے۔

نماز پڑھتے میں کسی سے آیت سجدہ سنی خواہ وہ نماز میں ہو یا نہ ہو تو سجدہ خارج نماز ادا کرے اگر نماز ہی میں ادا کر لیا تو ادا نہ ہوگا، اور گنہ گار ہوگا۔

ایک جگہ بیٹھ کر کئی بار ایک ہی آیۃ سجدہ پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور اگر کئی مختلف آیات سجدہ پڑھیں تو جتنی آیات سجدہ پڑھیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

اگر آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کی اور ہر بار جگہ بدلتا رہا تو جتنی جگہ بدلی ہیں اتنے سجدے واجب ہوں گے۔

حاصل یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے خواہ کسی حالت میں ہو سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ اگر عمر بھر میں کبھی نہ ادا کیا تو گنہگار رہوگا۔ علاوہ ان چند صورتوں کے جن سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے تفصیل کے لئے کتب فقہ میں دیکھیں۔ یہاں مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تمت الحواشی

حضرت مولانا حافظ الحاج سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
ناظم سابق جمعیۃ علماء ہند و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند و مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کی

تصنیف شدہ کتابیں

جو کتابستان گلی قاسم جان دہلی نے طبع کرائی ہیں

۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ تین جلدوں میں
۲۔ سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیرت پر ایک آسان اور ضخیم کتاب ہے۔
۳۔ عہد زریں۔ دو جلدوں میں۔ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ہیں
۴۔ دور حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل۔
۵۔ نور الاصباح شرح نور الایضاح
۶۔ شواہد تقدس۔ رد مودودیت پر عمدہ اور معلوماتی کتاب
۷۔ مشکوٰۃ الآثار۔ دار العلوم دیوبند میں داخل نصاب ہے۔
۸۔ دین کامل الاسلام کی مختصر تصویر۔ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔
۹۔ ہمارے پیغمبر۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔
۱۰۔ روزہ و زکوٰۃ (چھوٹا سا رسالہ)
۱۱۔ اسلامی تقریبات (چھوٹا سا رسالہ)
۱۲۔ خطبات ماثورہ و مقبولہ
۱۳۔ تاریخ الاسلام۔ تین حصوں میں
۱۴۔ نماز۔ یہ کتاب عمدہ دو رنگوں میں مرتب جناب سید خالد میاں صاحب مرحوم صاحبزادہ حضرت مولانا

مذکورہ بالا جملہ کتابوں کا
دیوبند میں ملنے کا واحد مرکز

مکتبہ حفظ القرآن محلہ دیوان دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

حضرت مولانا حافظ الحاج سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

ناظم سابق جمعیۃ علماء ہند و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند و مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کی

تصنیف شدہ کتابیں

جو جمعیۃ بکڈپو گلی قاسم جان دہلی نے طبع کرائی ہیں

۱۔ علماء حق۔ دو جلدوں میں (۲) تحریک ریشمی رومال (۳) اسیران مالٹا
۴۔ دینی تعلیم کے رسالے از ۱ تا ۱۲ یہ رسالے بچوں کیلئے مفید اور مقبول ہیں۔

مطبوعات مکتبہ حفظ القرآن دیوبند

تجوید کی چار کتابیں عمدہ طبع شدہ

۱۔ فوائد مکیہ حاشیہ مع تعلیقات مالکیہ۔
۲۔ جمال القرآن بحاشیہ از حضرت مولانا حافظ قاری اظہار احمد صاحب تھانوی مقیم لاہور پاکستان
۳۔ فوائد مکیہ بحاشیہ از حضرت مولانا حافظ قاری سعید احمد صاحب مدرس مظاہر علوم سہارنپور
۴۔ معرفۃ الرسوم۔ تجوید کے طلباء کے لئے ایک مفید کتاب۔
۵۔ میلاد خدا شناسی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا عیسائیوں اور غیر مسلموں سے مناظرہ

کتابستان دہلی کی تمام کتابیں اور دیگر درسی و غیر درسی کتب

اور عمدہ عطریات ـــــ اور سرمہ نور چشم

ملنے کا پتہ

مکتبہ حفظ القرآن محلہ دیوان دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

ربانی آکسیٹ پرنٹرس دیوبند فون۔23565

حضرت مولانا حافظ الحاج سید محمد میاں صاحب دیوبندی

ناظم سابق جمعیۃ علماء ہند و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند و مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

کی تصنیف شدہ کتابیں

(۱) محمد رسول اللہ (سیرت پر عمدہ آسان اور ضخیم کتاب) (۲) علماء ہند کا شاندار ماضی (تین جلدوں میں) (۳) صحابۂ کرام کا عہد زریں (دو جلدوں میں) (۴) دورِ حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل (۵) نور الاصباح شرح اردو نور الایضاح (۶) مشکوٰۃ الآثار دار العلوم میں داخل نصاب ہے (۷) دین اسلام کامل کی مختصر تصویر، اسکا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے (۸) ہمارے پیغمبر۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ (۹) روزہ و زکوٰۃ (چھوٹا سا رسالہ) (۱۰) اسلامی تقریبات (چھوٹا سا رسالہ) (۱۱) خطبات ماثورہ و مقبولہ (۱۲) تاریخ الاسلام تین حصوں میں (۱۳) نماز (عمدہ رنگین)

یہ سب کتابیں ملنے کا پتہ: کتابستان گلی قاسم جان دہلی ۶

نوٹ:۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ کتابیں جمعیۃ بکڈپو گلی قاسم جان دہلی نے طبع کرائی ہیں

(۱) علماء حق دو جلدوں میں (۲) تحریک ریشمی رومال (۳) اسیران مالٹا۔
(۴) دینی تعلیم کے رسالے از ۱ تا ۱۲۔ یہ رسالے بچوں کے لئے مفید اور مقبول ہیں۔

مکتبہ حفظ القرآن کی مطبوعات

۱ فوائد مکیہ مع حاشیہ تعلیقات مالکیہ
۲ جمال القرآن تخشیہ حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی پاکستان
۳ فوائد مکیہ تخشیہ حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب
مظاہر علوم سہارنپور
۴ معرفۃ الرسوم رسم الخط سے متعلق عمدہ کتاب
از حضرت مولانا قاری ابن ضیاء محب الدین

کتابستان دہلی کی تمام کتابیں

و دیگر درسی و غیر درسی کتب اور
عمدہ عطریات اور
سرمہ نور چشم
ملنے کا پتہ
مکتبہ حفظ القرآن
محلہ دیوان دیوبند